

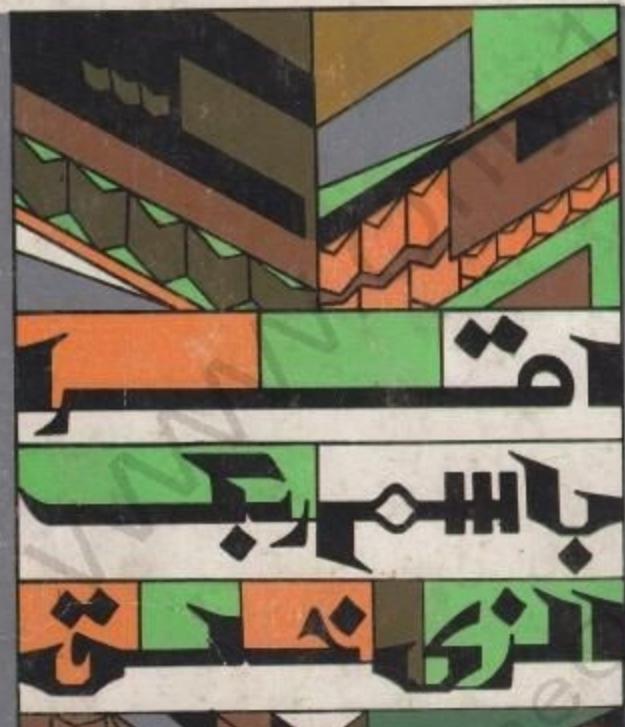
www.KitaboSunnat.com

فضائل الرأي

بشير أبو الحسن علی مودودی

جفیض الرحمن احمدین

مکتبہ تحریر



محدث الابریئی

کتاب و متنی دینی پاپے والی، اسلامی اسٹب لائپ سے ۱۲ جنوری ۲۰۲۳ء

معز زقارین توجہ فرمائیں

- کتاب و متن ڈاٹ کام پر مستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلسِ حقیقۃ النہایۃ کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعویٰ مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشر ہن سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاؤشوں میں بھر پور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ KitaboSunnat@gmail.com
🌐 www.KitaboSunnat.com

سلسلہ کتب حدیث (۲)

فضائل القرآن

مشکوہ المصایبج کے بابِ کتاب فضائل القرآن

عام فتح مرطالت

أَذْ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

جمع و تکمیل،

حافظ الرحمن الحسن

البدھ پبلی کیشنر اردو بازار لاہور

فہرست

عشر مرتب

مشکلۃ المذایع

ابتدائیتہ

فصل اول

- ۱۔ معلم قرآن کی فضیلت
- ۲۔ قرآن کی تعلیم دینا، دنیا کے بہترین مال و دولت سے بہتر ہے
- ۳۔ قرآن — سب سے طریقہ دولت ہے
- ۴۔ قرآن مجید کو جسے پڑھنا بھی باحث بُرکت ہے
- ۵۔ رشک کے قابو صرف دو آدمی ہیں
- ۶۔ قرآن مجید اور موسیٰ کا تعلق
- ۷۔ قرآن — دنیا اور آخرت میں سر بلندی کا ذریعہ
- ۸۔ قرآن پڑھنے کی آواز سن کر فرشتے جمع ہو جاتے یہاں
- ۹۔ قرآن پڑھنے والے پر "سکینت" نازل ہوتی ہے
- ۱۰۔ قرآن مجید کی سب سے طریقہ سورت — سورہ فاتحہ
- ۱۱۔ قرآن سے گھروں کو آباد کرو
- ۱۲۔ قرآن مجید قیامت کے روز شفیع بن کمسانے کا
- ۱۳۔ سورہ البقرہ اور آیل عمران اہل ایمان کی پیشوائی کریں گی
- ۱۴۔ قرآن مجید کی سب سے طریقہ آیت — آیتۃ الکرسی

- ۱۵۔ آیتہ انگریزی کی فضیلت کے متعلق ایک عجیب واقعہ
۱۶۔ دو لوزر — جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیے گئے
۱۷۔ سورۃ یقہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت
۱۸۔ سورۃ کہف کی پہلی دو آیتوں کی فضیلت
۱۹۔ سورۃ اخلاص ایک تھائی قرآن کے بسا برہے
۲۰۔ سورۃ اخلاص — اللہ کے تقریب کا ذریعہ
۲۱۔ سورۃ اخلاص سے محبت جنت میں داخلے کا سبب ہے
۲۲۔ معنویتین — دو بے نظیر سورتین
۲۳۔ قرآن کے الفاظ میں بھی برکت ہے
- فصل ثانی
- ۲۴۔ قیامت کے روز کی تین فیصلہ کن چیزوں — قرآن۔ امانت۔
قرابت دادی
- ۲۵۔ صاحبِ قرآن کا درجہ
۲۶۔ جس سیفے میں قرآن نہیں وہ ایک دیباڑ ہے
۲۷۔ اللہ کا کلام دوسرے کلاموں سے اُسی طرح افضل ہے جس طرح خود
اللہ تعالیٰ
- ۲۸۔ قرآن کے ہر حرف کے بدے دس نیکیاں ہیں
۲۹۔ قرآن ہرزنا نے کے فتنوں سے بچانے والا ہے
۳۰۔ عامل قرآن کے والدین کو ایک روشن تاریخ پہنایا جائے گا

باب
فصل اول

- ۳۱۔ قرآن کی حفاظت نہ کی جائے تو وہ بہت جلد فراموش ہو جاتا ہے
محکم دلائل و برابین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

- ۳۲۔ قرآن کریم کے بھلادینا بہت سبزی بات ہے ۸۵
- ۳۳۔ قرآن یاد کرنے والے کی مثال ۸۶
- ۳۴۔ قرآن کو دیجی اور بخوبی کے ساتھ پڑھو ۸۷
- ۳۵۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز قرأت ۸۸
- ۳۶۔ بنی کاخوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنا اللہ کو ہست مجبوہ ہے ۸۹
- ۳۷۔ نبی کاخوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنا اللہ کو ہست مجبوہ ہے ۹۰
- ۳۸۔ جو قرآن کرنے کے مستغفی نہ ہو جائے وہ، میں سے ۹۱
- ۳۹۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم — قرآن — اور فرمیدہ شہادت حق ۹۲
- ۴۰۔ علم قرآن کی برکت سے حضرت اُبی بن کعب کا اعزاز ۹۳
- ۴۱۔ قرآن کو شخص کی سرز میں میں نہ لئے جاؤ ۹۴

فصل ثانی

- ۴۲۔ اصحابِ تقدیم کی فضیلت ۹۵
- ۴۳۔ قرآن خوش آوازی سے پڑھو ۹۶
- ۴۴۔ قرآن کو پڑھ کر بھلادینا بہت بڑی محرومی ہے ۹۷
- ۴۵۔ یہیں دن سے کم میں قرآن ختم نہ کرو ۹۸
- ۴۶۔ علائیہ اور چچا کر قرآن پڑھنے کی مثال ۹۹
- ۴۷۔ قرآن پر ایمان کس کا معتبر ہے ۱۰۰
- ۴۸۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز قرأت ۱۰۱
- ۴۹۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز قرأت ۱۰۲
- ۵۰۔ سچد لوگ قرآن کو دیسلہ دنیا بنا لیں گے ۱۰۳
- ۵۱۔ قرآن کو گریوں اور بین کرنے والیوں کی طرح نہ پڑھو ۱۰۴

- ۵۲۔ خوش آوازی قرآن کے حسن میں اضافہ کرتی ہے
 ۵۳۔ حسن قرأت کا مفہوم کیا ہے؟
 ۵۴۔ قرآن کو اخروی فلاح کا ذریعہ بناؤ

بَاب

فصل اول

- ۵۵۔ ابتداء میں قرآن مقامی لمجات کے مطابق پڑھنے کی اجازت تھی
 ۵۶۔ دین میں اختلاف کے حدود و آداب
 ۵۷۔ راجح الایمان صحابی شفیق بنی کریم خدا
 ۵۸۔ اختلاف لمجات سے قرآن کے مفہوم میں فرق واقع نہیں ہوتا تھا

فصل ثانی

- ۵۹۔ مختلف لمجات میں قرآن پڑھنے کی اجازت ایک بہت بڑی سہولت تھی
 ۶۰۔ قرآن سنانے کا معاوضہ لینا غالباً ہے

فصل ثالث

- ۶۱۔ قرآن کو روٹی کمانے کا ذریعہ بنانے والا ہے آبرد ہو گا
 ۶۲۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم فصل سورت سے
 ۶۳۔ صحابہ کرام نے قرآن کس ذمہ داری سے حفظ کیا تھا
 ۶۴۔ قرآن مجید کیسے بخا جمع کیا گیا
 ۶۵۔ مصحف عثمانی کیسے تیار ہوا
 ۶۶۔ سورتوں کی ترتیب خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ ہے

نَحْمَدُهُ وَنُصَلِّی عَلَى رَسُولِہِ الْکَرِیمِ وَعَلٰی الٰہِ وَآصْحَابِہِ اَجْمَعِینَ

عرضِ مرتب

”کتاب الصور“ کے بعد ”فضائل قرآن“ فارغین کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ ”کتاب الصور“ کی طرح یہ کتاب بھی خدمتی مولانا سید ابوالا علی مودودی مذکورہ العالی کے ہفتہ وار دروس حدیث سے مرتب کی گئی ہے۔ یہ درس اس سے پہلے ہفتہ روزہ ”ایں“ لاہور میں شائع ہونے تھے۔ اب ان پر مزید نظر ثانی کرنے کے بعد ان کو پہلی مرتبہ کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس موقع پر دو امور کی وضاحت نہ روئی معلوم ہوتی ہے:

اولاً یہ کہ اس کتاب کو مولانا نے محترم کی اپنی تحریر کی حیثیت حاصل نہیں ہے بلکہ مرتب نے تقریری موارد کو سب ریکارڈ کی مدد سے تحریر کے سلسلے میں دھالا ہے۔

ثانیاً یہ کہ پیش نظر دروس حدیث کو ان درسون پر قیاس نہ کیا جائے جو دنیوی عدارس میں حدیث کے طالب علموں کے سامنے دیے جاتے ہیں، بلکہ یہ درس ہفتہ دار اجتماعات میں افادہ عام کے لیے دیے گئے تھے اور ان میں مخاطبین کی ذہنی سطح اور ضرورت کو ملحوظ رکھ کر مطالب حدیث

کی وضاحت کی گئی تھی۔ (ہفتہ وار درس قرآن و حدیث کا یہ سلسلہ اتنا
سال جاری رہتے کے بعد تیر ۱۹۶۹ء میں مولانا نے محترم کی گمراہی
کی بنا پر موقف ہو گیا)۔

اسوں پڑے کہ ”کتاب القوم“ کی طرح یہ مجرم عجیب یہود محترم کی نظر ثانی
کے بغیر شائع کرنا پڑتا ہے۔ راقم الحروف کی یہ دلی تمنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل
خاص سے مولانا نے محترم کو اتنی صحبت و تورت سے نواز دے کہ وہ حدیث کے
ان تشریحی مجرموں پر مکمل نظر ثانی فرمائیں تاکہ ان کا علمی پایہ اعتبار موصوف کی دوسرا
علمی و تحقیقی تصنیفات کے مخیارت کے پیش جاتے و ماذیک علی اللہ یعزیز
اہل علم سے میری یہ گزارش ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کرنی علمی فروغ کا شاست
پائیں تو اسے میری کوتاہی علم پر محمول کریں اور مجھے اس سے آکا کر کے گمنان فرمائیں تاکہ
آنہ میباعت کے موقع پر اس کی اصلاح و تلاش کی کوشش کر سکوں۔

خدا نے بزرگ درتر کے حضور میری یہ ذمہ ہے کہ اس کتاب کی جمع و تدوین کے
سلسلہ میں تحدی سے ہو و تھوڑی بہت محنت و کوشش بن پڑی ہے وہ اسے شرف
قبول سے نوازے اور حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و تفہیم کے اس
گلدستے کو اسی طرح مفید و تابع بنائے جس طرح اس نے یہود محترم کے دوسرے دینی
سرمایہ علم کو اس شرف خاص سے مشرف فرمایا ہے۔

یہ امر واضح رہے کہ پیش نظر کتاب، حدیث بنوی علی صاحبہما الصلة والتسليم
کے مشہور و مقبول مجرم عمشکراۃ المصالیع کے جزء کتاب فضائل قرآن“ میں سے
 منتخب احادیث کی تشریح پر مشتمل ہے۔ احادیث کے آغاز میں جو عنوان لکھتے گئے
ہیں وہ مشکراۃ کے متن کا حصہ نہیں میں بلکہ یہ راقم الحروف نے احادیث کے اہم

مضامین کی رعایت سے خود قائم کیے ہیں۔
 جیسا کہ ”کتاب القوم“ کے دیباچے میں عرض کر جکا ہوں، مولانا نے
 محترم کے درد میں حدیث کی ترتیب و اشاعت کے حقیقی محرک جناب منظر بیگ
 صاحب مدینہ آئین ”لابریٹیوں جنہوں نے ایسے موقر ہر بیدے میں اس کی اشاعت
 کا سلسلہ شروع کر کے میرے یہ موضع پیدا کیا کہ اپنی علمی کم مانگی کے باوجود دیہ اہم
 خدمت انجام دینے کی سعادت حاصل کروں ————— کتاب القوم کی
 اشاعت کا اہتمام مکتبہ آئین لاہور کی طرف سے کیا گیا تھا جبکہ فضائل قرآن کی اشاع
 کی ذمہ داری عزیزیم جناب عبد الحقیظ الحمد البدیلی کیشہر لاہور
 نے قبول کی اور اس سے بطریق احسن سعدہ برائے ہوتے۔ میں اپنے ان دونوں
 دوستوں کا بے حد ممنون ہوں۔

لاہور، ۱۳۹۰ھ
 احرى رمضان المبارک
 حفظ الرحمٰن حضرت
 (درستہ، ۱۹۴۶ء)

مشکوٰۃ المصایب

پیش تفہیق کتاب حدیث بنوی کے مشہور و مقبول مجموعہ مشکوٰۃ المصایب کے ایک جزو، کتاب فضائل القرآنی شریح پرشتمل ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشکوٰۃ کا مختصر ساتھ افادت کر دیا جاسے۔

مشکوٰۃ المصایب انھوں صدھی بھری کے ایک تبحر عالم و فقیہ اور جلیل القدر محدث ولی الدین محمد بن عبداللہ تبریزی کی نادر تایف ہے۔ اس کی پہنچا و مشہور محدث، مفسر اور فقیہ امام بخاری کے مرتب کردہ مجموعہ حدیث "مَصَابِيحُ السُّنَّةِ" پر رکھی گئی ہے، جس کی تہذیب و اصلاح کر کے مزید احادیث کے اضافے سے نیا مجموعہ مشکوٰۃ المصایب کے نام سے ترتیب دیا گیا۔

مشکوٰۃ المصایب اور اس کے مؤلف ملامہ تبریزی کا ایک خاص امتیاز یہ ہے کہ یہ کتاب انھوں نے اپنے جلیل القدر استاد علامہ حسین بن عبداللہ الطیبی کے

لئے افسوس ہے کہ آپ کی تاریخ دلادست وفات کی تحقیق نہیں ہو سکی۔ تاہم یہ معلوم ہے کہ وہ مشکوٰۃ کی تایف سے ۳۴۷ھ میں نارغ ہوئے۔

لئے محی اتنہ ابو محمد الحسین بن معہود القراء البغی، وفات ۳۵۱ھ
تے وفات ۳۵۲ھ

کے مشورے اور ایام پر مرتب کی، اور جب یہ مرتب ہو چکی قوان کے استاذ مخترم نے خود اس کی ایک جامع شرح «الْكَاشِفُ عَنْ حَقَائِقِ الْسُّنْنَ» کے نام سے تحریر کی۔

مشکلاۃ المصایح کی اہمیت اور خصوصیات کو جانتے کے لیے ضروری ہے کہ امام بغوریؒ کی مصایح السنۃ کی خصوصیات پر ایک نظر ڈال لی جائے:

- ۱- مصایح السنۃ میں احادیث کو فقہی ابراب کی ترتیب سے جمع کیا گیا تھا اور ہر باب میں دو فصلیں قائم کی گئی تھیں۔ ایک فصل میں صرف امام بخاریؓ اور امام مسلمؓ کی روایت کردہ احادیث جمع کی گئی تھیں اور دوسری فصل میں ابو داؤدؓ، ترمذیؓ، نسائیؓ، ابن ماجہؓ، ہبیقیؓ اور دارقطنیؓ وغیرہم کی روایات کو جگدی گئی تھیں۔

- ۲- صاحب مصایح نے احادیث کو ان کے روایوں اور منتقلہ کتب احادیث کے حوالے کے بغیر جمع کیا تھا۔ اس سے طالبان حدیث کو ان احادیث کے مصادر و مأخذ کا پتہ لگانے، اور باعتبارِ سند آن کی صحیت اور مقام و مرتبہ کے تعلیمی میں مشکل پیش آتی تھی۔

مصایح السنۃ کے مقابلے میں مشکلاۃ المصایح میں:

- ۱- صاحب مشکلاۃ نے مصایح السنۃ کی پہلی دو فصلوں پر ایک تیسرا فصل کا اضافہ بھی کیا ہے، اور احادیث کا انتخاب کرنے ہوتے صحابی سنۃ (بخاری، مسلم، نسائی، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ) کے علاوہ شعبہ الایمان، نبیہتھی، محدث امام احمدؓ اور محدث زینؓ وغیرہما کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔

اس طرح موضوع کی مناسبت سے بہت سی مزید اہم احادیث اس مجموع میں آگئی ہیں۔ مصایح میں احادیث کی تعداد ۳۴۳ میں تھی جبکہ

مشکوٰۃ میں یہ تعداد ۵۹ ہو گئی۔

چونکہ مشکوٰۃ المصالیح تمام مستندر کتب احادیث کا ایک مختصر لیکن جامع اور واقعیع انتخاب ہے اس بیے اس کو طلبہ حدیث، علماء اور عام مسلمانوں میں جو قبول عام حاصل ہوا وہ اس نوع کی کم ہی کتابوں کو نصیب ہوتا ہے۔ یہ کتاب مختلف فقیٰ مکاتب فکر میں بیکار مقبول و مرقوم ہے اور دینی درس گاہوں میں عام طور پر بدقاً بستقاً پڑھائی جاتی ہے۔ اس کی مقبولیت اور اہمیت کا اندازہ اُن شرحوں سے بھی لگایا جا سکتا ہے جو اب تک عربی، اردو اور بعض دوسری زبانوں میں لکھی گئی ہیں۔ کتبِ حدیث میں صحیحین کے بعد یہ اعزاز اسی کتاب کو حاصل ہوتا ہے۔ عربی شرحوں میں علام الطیبی کی شرح (جس کا ذکر پہلے گز ریکا ہے)، صرقاۃ الْمَفَاتِیح (ملالی قاری) ، لمکات (شیخ عبدالحق محدث دہلوی)، التعلیقُ القییح (مولانا محمد ادريس کاندھلوی) اور منہماج المشکوٰۃ (عبد العزیز الابری) اہم ہیں۔ فارسی میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شرح آیشۃ اللّمعات معروف ہے۔ اردو میں مولانا عبد الغفور غفرنوی کا ترجمہ و حواشی (جو آج کل نایاب ہے) اور مولانا قطب الدین کی مظاہر حق قابل ذکر ہیں۔ ایک انگریزی ترجمہ بھی ہے، یہ شائع ہو چکا ہے۔ قریبی زمانے میں پروفیسر عبدالحیمد صدیقی صاحب نے بھی مشکوٰۃ شریف کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ توقع ہے کہ یہ ترجمہ جلد شائع ہو جائے گا۔

مشکوٰۃ المصالیح کے مختلف اجزاء پاکستان کے مختلف تعلیمی نصابوں میں شامل ہیں۔

(مرتبہ)

ابتداء

قرآن مجید کی عظمت اور آفاقیت

مجید کا لفظ اعرابی زبان میں دو معنوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ ایک بلند مرتبہ، باعظمت، بزرگ اور صاحبِ عزت و شرف۔ دوسرا کریم، کثیر العطا، بہت نفع پہنچانے والا۔ قرآن کے لیے یہ لفظ ان دونوں معنوں میں استعمال فرمایا گیا ہے۔ قرآن اس لحاظ سے عظیم ہے کہ دنیا کی کوئی کتاب اس کے مقابلے میں نہیں لائی جاسکتی۔ اپنی زبان اور ادب کے لحاظ سے بھی وہ متعجز ہے اور اپنی تعلیم اور حکمت کے لحاظ سے بھی متعجز۔ جس وقت وہ نازل ہوا تھا اُس وقت بھی انسان اُس کے مانند کلام بناؤ کر لانے سے عاجز تھے اور آج بھی عاجز ہیں۔ اس کی کوئی بات کسی زمانے میں غلط ثابت نہیں کی جا سکی ہے زکی جا سکتی ہے۔ باطل نہ سامنے سے اس کا مقابلہ کر سکتا ہے نہ یتھے سے حملہ آور جو کرائے شکست دے سکتا ہے اور اس لحاظ سے وہ کریم ہے کہ انسان جس قدر زیادہ اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش کرے اسی قدر زیادہ وہ اس کو رہنمائی دیتا ہے اور جتنی زیادہ اس کی پیروی کرے اتنی ہی زیادہ اُسے دنیا اور آخرت کی سجلات میں حاصل ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اس کے فوائد و منافع کی کوئی حد نہیں ہے جہاں جا کر انسان اس سے بے نیاز ہو سکتا ہو، یا جہاں پہنچ کر اس کی نفع بخشی ختم ہو جاتی ہو۔

قرآن و دنیا کی واحد کتاب ہے جس نے نوع انسانی کے افکار، آخلاق، تمہذیب، اور طرزِ زندگی پر اتنی وسعت، اتنی گمراہی اور اتنی ہمہ گیری کے ساتھ اثر ڈالا ہے کہ دنیا میں اس کی کوئی نظریہ نہیں ملتی ہے۔ پہلے اس کی تأشیر نے ایک قوم کو بدلایا۔ سچھر اس قوم نے ہمچل کر دنیا کے ایک بہت بڑے حصے کو بدل ڈالا۔ کونی دوسرا کتاب ایسی نہیں بے جو اس قدماً انقلاب انگریز ثابت ہوئی ہو۔ سچھر یہ کتاب صرف کاغذ کے صفات پر محضی نہیں رکھتی ہے بلکہ عمل کی دنیا میں اس کے بیان میں سے اس کے ان اثرات کا سلسلہ جاری ہے؛ اور دو ذرہ ۷۱ کے مجموع میں سے اس کے ان اثرات کا سلسلہ جاری ہے؛ اور دو ذرہ ۷۲ کے یہ اثرات پھیلتے جا رہے ہیں۔

جس موضوع سے یہ کتاب بحث کر لی ہے وہ ایک وسیع ترین موضوع ہے جس کا دائرہ اذل سے اب تک پوری کائنات پر خادی ہے۔ وہ کائنات کی حقیقت اور اس کے آغاز و انجام اور اس کے نظم و آئین پر کلام کرتی ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس کائنات کا خالق اور نظام و مدیر کون ہے، کیا اس کی صفات میں، کیا اس کے اختیارات میں، اور وہ حقیقتِ نفسِ الامری کیا ہے جس پر اس نے یہ پُر انتظام حامل قائم کیا ہے۔ وہ اس جہان میں انسان کی حیثیت اور اس کا مقام ٹھیک ٹھیک مشخص کر کے بتاتی ہے کہ یہ اس کا فطری مقام اور یہ اس کی پیدائشی حیثیت ہے جسے بدل دینے پر وہ قادر نہیں ہے۔ وہ بتاتی ہے کہ اس مقام اور حیثیت کے لحاظ سے انسان کے یہ فکر و عمل کا صحیح راستہ کیا ہے جو حقیقت سے پوری مطابقت رکھتا ہے۔ اور غلط راستے کیا ہیں جو حقیقت سے متسادم ہوتے ہیں۔ صحیح راستے کے صحیح ہونے اور غلط راستوں

کے غلط ہونے پر وہ زمین و آسمان کی ایک ایک چیز سے، نظام کائنات کے ایک ایک گرشے سے، انسان کے اپنے نفس اور اس کے وجود سے اور انسان کی اپنی تاریخ سے بے شمار دلائل پیش کرتی ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی بتاتی ہے کہ انسان غلط راستوں پر کیتے اور کن اسباب سے پڑتا رہا ہے، اور صحیح راستہ، جو حیثے سے ایک ہی تھا اور ایک ہی رہے گا، کس ذریعہ سے اس کو معاف ہو سکتا ہے اور کس طرح ہر زمانے میں اس کو بتایا جانا کہا ہے۔ وہ صحیح راستے کی طرف نشان دہی کر کے ہیں یہ رہ جاتی ہے اس راستے پر چلنے کے لیے ایک پورے نظام زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے جس میں عقائد، اخلاقی، تذکیرہ نفس، عبادات، معاشرت، تہذیب اہمیت، میثاث، سیاست، عدالت، قانون، غرض حیات انسانی کے ہر ہمبوں سے متعلق ایک نہایت مربوط ضمایط بیان کر دیا گیا ہے ذہن یہ بہاء وہ پوری تفصیل کے ساتھ بتاتی ہے کہ اس صحیح راستے کی پیروی کرنے اور ان غلط راستوں پر چلنے کے کیا نتائج اس دنیا میں میں اور کیا نتائج دنیا کا موجودہ نظام ختم ہونے کے بعد۔ ایک دوسرے عالم میں رونما ہونے والے ہیں۔ وہ اس دنیا کے ختم ہونے اور دوسرا عالم بہپا ہونے کی نہایت مفصل کیفیت بیان کرتی ہے، اس تعمیر کے تمام مراحل ایک ایک کر کے بتاتی ہے، دوسرے عالم کا پورا نقشہ نکال ہوئی کے سامنے کھینچ دیتی ہے، اور پھر بڑی دضاحت کے ساتھ بیان کرتی ہے کہ دہان انسان کیے ایک دوسری زندگی پائے گا۔ کس طرح اس کی دینبری زندگی کے اعمال کا محاسبہ ہو گا، کن امور کی اس سے باز پُرس ہو گی، کیسی ناقابل انکار صورت میں اُس کا پورا نامہ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا، کیسی زبردست شہادتیں اس کے ثبوت میں پیش کی جائیں گی، جزا اور سزا پانے والے کیوں جزا اور سزا پائیں گے، جزا پانے والوں کو کیسے انعامات

ملیں گے اور سر اپاٹے والے کس کی شکل میں اپنے اعمال کے نتائج بھگتیں گے۔ اس ویسے مفہوم پر جو کلام اس کتاب میں کیا گیا ہے وہ اس حیثیت سے نہیں ہے کہ اس کا صنف کچھ صغری، بُھری جوڑ کر چند قیاسات کی ایک عمارت تعمیر کر دیا ہے، بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا صنف حقیقت کا برآہ و استعلام رکھتا ہے، اس کی نگاہ ازل سے اب تک سب کچھ دیکھدی ہے۔ تمام حقائق اس پر عیاں ہیں، کامیابی کی پوری اس کے سامنے ایک کھلی کتاب کی طرح ہے، نوچ انسانی کے آغاز سے اس کے خاتمہ تک بھی نہیں بلکہ خاتمہ کے بعد اس کی دوسری زندگی ہے اس کو یہ کافر دیکھ رہا ہے اور قیاس و گمان کی جا پر نہیں بلکہ علم کی بنیاد پر انسان کی رہنمائی کر رہا ہے۔ جن حقائق کو علم کی حیثیت سے وہ پیش کرتا ہے ان میں سے کوئی ایک بھی آج ہمکار غلط ثابت نہیں کیا جا سکا ہے۔ جو تصویر کائنات و انسان وہ پیش کرتا ہے وہ تمام مقابر اور واقعات کی مکمل توجیہ کرتا ہے اور جو شعبہ علم میں حقیق کی بنیاد پر ساختا ہے فلسفہ و سائنس اور علوم عمران کے تمام آخری مسائل کے جوابات اس کے کلام میں موجود نہیں اور ان سب کے درمیان ایسا منطقی ربط ہے کہ ان پر ایک سمجھ، مریبوط اور جامع نظام فکر قائم ہوتا ہے۔ پھر عملی حیثیت سے جو رہنمائی اس نے زندگی کے ہر میدان کے متعلق انسان کو دی ہے وہ صرف انتہائی معقول اور انتہائی پاکیزہ ہی نہیں بلکہ ۳۰ سال سے گزرے زیین کے مختلف گوشوں میں بے شمار انسان بالفعل اس کی پیروی کر رہے ہیں اور تجربے نے اس کو بہترین ثابت کیا ہے۔ کیا اس شان کی کوئی انسانی تصنیف دنیا میں موجود ہے یا کبھی موجود رہی ہے جسے اس کتاب کے مقابلے میں لا جایا سکتا ہو؟ (تفہیم القرآن سے انتہاءات)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

—القصول الأول—

۱۔ معلم قرآن کی فضیلت

عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَيْرٌ كُمْ مَنْ تَعْلَمَ الْقُرْآنَ وَعَلِمَهُ.
 (دُوَادَةُ الْجَادِيَّ)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نبی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سب سے بہتر لوگ وہ یہں جو قرآن کا علم حاصل کریں اور (وہ رسول کی اس کی تعلیم دیں۔ (بخاری))

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کرامی کا مفہوم یہ ہے کہ جو لوگ پڑھ قرآن مجید سے خود تعلیم ہوئیت حاصل کریں اور اس کے بعد خلقِ خدا ہمک اس کو پہنچانے کا فرضیہ انجام دیں وہ تھارے اور سب سے بہتر انسان ہیں۔

ایک شخص تو وہ ہے کہ جب اللہ کی ہدایت اس کے پاس پہنچے تو وہ اس کے مطابق اپنی زندگی کی اصلاح کرے، یعنی وہ بھی اچھا انسان ہے۔ لیکن اس سے اور بالی سب انسانوں سے بہتر انسان وہ ہے۔ اللہ کی ہدایت پا کر نہ صرف یہ کہ اپنی زندگی کو اس کے مطابق درست کرے بلکہ خلقِ خدا ہمک بھی اس تعلیم کو پہنچانے کی کوشش

کرے تاکہ رسول کی زندگی کی اصلاح بھی ہو سکے۔

۴۔ قرآن کی تعلیم دینا، دنیا کے بہترین مال و دولت سے بہتر ہے

عَنْ عُقَبَةَ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ فِي الصُّفَّةِ فَقَالَ أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنْ يَغْدُ وَكُلَّ يَوْمٍ إِلَى بُطْحَانَ أَوِ الْعَقِيقِ فَيَأْتِيَنَا نَاقَاتِنِ كَوْمًا وَيُؤْتَنِ فِي غَيْرِ أَشْرِ وَلَا قَطْعِ رَجِيمٍ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ كُلُّنَا نُحِبُّ ذَلِكَ، قَالَ أَفَلَا يَغْدُ أَحَدُكُمْ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيَعْلَمُ أُوْيَقِرًا إِنَّتِينِ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ خَيْرُهُ لَهُ مِنْ نَاقَاتِنِ وَثَلَاثَةَ خَيْرُهُ لَهُ مِنْ ثَلَاثَةِ وَأَرْبَعَةِ خَيْرُهُ لَهُ مِنْ أَدْبَعِهِ وَمِنْ أَعْدَادِهِ مِنَ الْأَوَّلِيَّلِ۔ (رَدَادُ مُسْلِمٍ)

حضرت عقبہ بن عاصم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز جملہ ہم صفحہ میں بیٹھے ہوتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے محبہ مبارک سے نکل کر تشریف لاتے اور آپ نے فرمایا، تم میں سے کوئی یہ چاہتا ہے کہ وہ ہر روز بطنان یا عقیق جاتے اور وہاں سے بڑے کوئان والی دو اونٹیاں لے آئے بغیر اس کے کہ اُس نے کوئی گناہ یا قطیع رحم کا فعل کیا ہو؟ جم نے عرض کیا، یا رسول اللہ، ہم میں سے تو ہر ایک یہ بات چاہتا ہے۔ تب آپ نے فرمایا، کہ تم میں سے ایک شخص جدیں جاتے اور لوگوں کو دو آیتیں پڑھ کر سنائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اسے روزانہ دو اونٹیاں میسر

ہمیں۔ اگر وہ تین آئیں پڑھ کر سنائے تو یہ تین اُوٹنیاں مل جانے سے بہتر ہے۔ اگر چار آئیں پڑھ کر سنائے تو یہ چار اُوٹنیاں مل جانے سے بہتر ہے۔ اسی طرح جتنی آئیں سنائے وہ اتنی ہی اُوٹنیوں سے بہتر ہے۔ (سلم)

حصہ سے سرا وہ چبورہ ہے جو مسجد نبویؐ کے ساتھ بنا کر اس پر ایک پچھرہ والی دیا گیا تھا۔ یہاں وہ لوگ قیام پذیر تھے جو مکہ مظہر سے یا عرب کے دوسرے حصوں سے بھرت کر کے مدینہ طیبہ میں آگئے تھے۔ ان کا نہ کوئی ملکانہ تھا اور نہ ذریعہ معاش۔ مدینے کے لوگ اور دوسرے ہمایوں یا کچھ بھی ان کی مدد کر سکتے تھے کر دیتے تھے۔ اس سے ان کی گز رہبر کا سامان ہو جاتا تھا یہ لوگ ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لیے مستعد رہتے تھے۔ اس طرح یہ گویا ایک مستقل والقییر فورس تھی جس خدمت کے لیے اور جس ہم پر جب چاہتے تھے

بُطحان اور عَقِيق مدینہ طیبہ سے متصل دو دو ایاں ہیں، ایک جنوب میں اور دوسری شمال مغرب میں۔ اُس زمانے میں ان دونوں مقامات پر اُوٹنیوں کی فروخت کی منڈی لگا کر تھی۔ حضور نے ان اصحاب حصہ کو جو بالکل بے سرو سامان تھے، خدا طلب کر کے کہا کہ جب تک میں سے کون یہ چاہتا ہے کہ روز بُطحان یا عَقِيق جانتے اور بڑے بڑے کوہاں والی دو اُوٹنیاں مفت لے آتے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ، ہم میں سے ہر کوئی یہ بات چاہتا ہے اس پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کسی کو دو آئیں سنائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ اسے دو گدھہ قسم کی اُوٹنیاں مفت مل جائیں۔ اسی طرح وہ جتنا کمی کسی کو سنائے گا وہ اس کے لیے اتنی ہی اُوٹنیاں پائیں سے بہتر ہے۔

دیکھتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق ترمیت کیسا انوکھا تھا۔
آپ یہ جانتے تھے کہ یہ اصحاب صفحہ صرف اس وجہ سے اپنے گھر یا چھوڑ کر آتے ہیں
کہ انہوں نے اللہ کا دین اختیار کر لایا تھا اور دنیا کو وہ دین پسند نہ تھا بھجوڑاً انھیں اپنے
گھر یا چھوڑنے پڑے۔ ان کی اس بے سروسامانی کی حالت میں یہ اندرشہ ہو سکتا
تھا کہ شیطان ان کے دلوں میں وسوسہ اندازی کرے کہ تم نے خواہ مخواہ اپنے
گھر یا چھوڑنے اور غربت کی زندگی اختیار کی۔ اس یہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے کمال حکمت سے ان کے ذہن کو اس طرف موڑ دیا کہ اگر وہ اونٹیاں
 روز مفت تھارے باختہ آئیں تو اس سے بد رہنا بہتر ہے کہ تم اللہ کے
 بندوں کو قرآن سناؤ اور اس کی تعلیم دو۔ دوسرے لوگوں کو جا کر تین آیتیں سمجھائیں
 گے قریۃ تین اونٹیاں پائیں سے بہتر ہے۔ اس طرح یہ بات ان کے ذہن فتنیں
 کر دی گئی کہ اگر تم خدا کے دین پر ایمان لاتے ہو اور اُسی دین کی خاطر ہجرت اختیار کرے
 آتے ہو تو اس کے بعد تھارا وقت اسی دین کے کام میں صرف ہونا چاہیتے۔ تمہیں
 متارع دنیا حاصل کرنے کی خواہیں کرنے کے بجائے اپنا وقت خلاست دین کے
 کام میں صرف کذا چاہیتے تاکہ خدا سے تھارا تعلق زیادہ سے زیادہ ضمیر جو اور خلق
 خدا کو راہ راست دکھا کر تم اللہ تعالیٰ کی ہمراہیوں کے زیادہ سے زیادہ مستحق بن سکو۔
 یہی لوگ تھے جنھیں آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کے صبر و ایثار کی پیشیجہ یہ سلطنتوں
 کا ماکاں بنادیا۔ اپنی زندگی ہی میں انہوں نے یہ دیکھ لیا کہ اگر انسان صبر کے ساتھ
 یہ راستہ اختیار کرے تو اس کا قیصر کیا ہوتا ہے۔

۳۔ قرآن — سب سے بر طبعی دولت

عَزْلٌ أَفِيْهِ مُرَبِّرَةٌ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَيُّحِبُّ أَحَدُكُمْ إِذَا رَجَعَ إِلَى أَهْلِهِ
أَنْ يَجِدَ فِيهِ ثَلَاثَ خَلْفَاتٍ عِظَامٍ بِيَمَانِ ، قُلْنَانِ
نَعَمْ ، قَالَ فَثَلَاثُ اِيَّاتٍ يَقْرَأُ بِهِنَّ أَحَدُكُمْ
صَلَوَاتُهُ خَيْرٌ لَّهُ مِنْ ثَلَاثَ خَلْفَاتٍ عِظَامٍ بِيَمَانِ -

(دَوَادَهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : کیا تم میں سے کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ جب وہ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر جاتے تو وہ دیکھے کہ اس کے باں تین حاطم، بڑی جسم اور فربہ اور ٹینیاں کھڑی ہیں؟ جنم نے عرض کیا ملائیا یا رسول اللہ، جنم یہ چاہتے ہیں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تین آتیں، جو تم میں سے کوئی شخص اپنی نیاز میں پڑھتے ہے، یہ اس کے لیے اس سے زیادہ بہتر ہیں کہ وہ اپنے گھر پر تین ایسی حاطم جسم اور فربہ اور ٹینیاں پائے۔ (مسلم)

بڑی جسم اور حاطم اور ٹینی عربوں کے نزدیک بہتر بن مال تھا۔ اس لیے بھی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مثال دی کہ اگر تم نیاز میں قرآن کی تین آتیں پڑھو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تمہارے گھر میں صفت کی تین اور ٹینیاں آگھڑتی ہوں — اس مثال — اسے امام سلی اللہ علیہ وسلم نے اس نیاز کے ذمہ نہ شیئن یہ بات کرانی کہ قرآن ان کے لیے کتنا بڑی رحمت ہے، اور قرآن کی تکلیف میں کتنا بڑی دولت ان کے لام تھی آتی ہے۔ انھیں اس بات کا احساس دلا گیا کہ ان کے نزدیک بڑی سے بڑی دولت ہو سکتی ہے، یہ قرآن اور اس کی ایک ایک آیت اس سے زیادہ بڑی دولت ہے۔

۳۔ قرآن مجید کو بے سمجھے پڑھنا بھی باعث برکت ہے!

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكَرَامِ الْبَرَّةِ وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَعَنَّعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌ لَهُ أَجْرٌ (متفق علیہ)

حضرت عائشہ رضی اشہد تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : قرآن کا ماہر، قرآن کے سخنے دائے معزز اور پاکیزہ فرشتوں کے ساتھ ہو گا اور جو شخص قرآن مجید کو لکھ کر کر اور بڑھی مشکل سے پڑھتا ہے اس کے لیے دربار آجر ہے۔ (متفق علیہ)

قرآن مجید بھی میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس قرآن کو وہ فرشتے رکھتے ہیں جو بڑے معزز اور پاکیزہ ہیں۔ اس لیے فرمایا کہ بون شخص قرآن مجید کا معلم حاصل کرے، اس میں بصیرت پیدا کرے اور اس کے اندر کمال پیدا کرنے کی کوشش کرے وہ ان فرشتوں کے ساتھ ہو گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان فرشتوں میں شامل ہو جائے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اسے دہ مقام اور مرتبہ حاصل ہو گا جو ان فرشتوں کو حاصل ہے۔

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ آدمی قرآن مجید کو سمجھ کر نہ پڑھے تو محض اس کے پڑھنے کا کیا فائدہ ہے۔ لیکن یہ خیال کرنا درست نہیں۔ قرآن مجید کے محض پڑھنے کا بھی فائدہ ہے۔ مثلاً آپ دیکھیں کہ ایک ایسا آدمی ہے جو پیچارہ بہت ہی دیہاتی قسم کا ہے اور اس کی زبان بھی پوری طرح سے نہیں کھلتی ملکم دلائل و براہین سے مزین، متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ

— وہ بڑی مشکل سے اور اٹکا کر قرآن مجید پڑھ رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حق میں بھی یہ فرماتے ہیں کہ اس کے لیے دوسرے اجر ہے — ایک اجر قرآن پڑھنے کا اور دوسرا قرآن پڑھنے کے لیے محنت کرنے کا — رہی یہ بات کہ بغیر کچھ بوجھے قرآن مجید پڑھنے کا بھی فائدہ ہے تو سوال یہ ہے کہ کیا اس کے بھی دنیا میں کسی ایسے آدمی کو دیکھا چے جو انگریزی کے عووف بھی پڑھ لیئے کے بعد انگریزی کی کوئی کتاب لیے بیٹھا پڑھ رہا ہو اور کچھ میں اس کی خاک بھی نہ آ رہا ہو۔ خود سمجھتے کہ ایک آدمی اس قرآن کے ساتھ ہی یہ محنت کیوں کرتا ہے۔ وہ قاعدہ بندادی سے اس کے پڑھنے کی مشق کرتا ہے، استادوں سے سیکھتا ہے، پھر بیٹھا ہوا اسے پڑھتا ہے۔ اس کی کچھ میں کچھ نہیں آتا مگر پھر بھی پڑھتا ہے — آخر کیوں؟ — اگر اس کے دل میں ایمان نہ ہو، قرآن مجید کی عقیدت نہ ہو اور اگر وہ یہ نہ سمجھ رہا ہو کہ یہ اللہ کا کلام ہے، اور اس کو پڑھنے میں برکت ہے تو آخر وہ یہ سب محنت اور مشقت کیوں برداشت کرے؟ ظاہر بات ہے کہ وہ یہ ساری محنت اور مشقت اسی لیفین کی بنا پر کرتا ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے اور بڑی برکت والا کلام ہے۔ اس یہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس کا اجر نہ سطے۔

اس کا یہ مطلب بھی نہیں چاہیے کہ ایسے آدمی کو قرآن سیکھنے اور سمجھنے کے مقابل بننے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ یہ کوشش تو اسے لازماً کرنی چاہیے میکن جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر قرآن کسی کی سمجھ میں نہ آ رہا ہو تو اس کا پڑھنا صاف اور بے فائدہ ہے تو یہ بات غلط ہے۔ یقیناً قرآن مجید کو بے سمجھے پڑھنے کا بھی فائدہ ہے۔

۵۔ رشک کے قابل صرف دو آدمی ہیں

عَنْ أَبِي عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا حَسَدَ إِلَّا عَلَى اثْنَيْنِ ، رَجُلٌ أَتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ قُوْمُ بَهِ اتَّاءَ اللَّيلَ وَ اتَّاءَ النَّهَارِ وَ رَجُلٌ أَتَاهُ اللَّهُ مَالًا وَ فَهُوَ يُمْسِكُ مِنْهُ اتَّاءَ اللَّيلَ وَ اتَّاءَ النَّهَارِ ۔ (متفق عليه)

حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی حسد (یعنی رشک) کی کوئی گنجائش نہیں ہے مگر دو آدمیوں پر۔ ایک وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن کا علم دیا ہوا اور وہ شب و روز اس کو یہ کھڑا ہو (یعنی نماز میں کھڑا کر پڑھ رہا ہو) اس کی تبلیغ و تلقین کرنے اور اس کی تعلیم دینے میں مصروف ہو) — اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہوا اور وہ شب و روز اسے اتنی کم راہ میں خرچ کر رہا ہو۔ (متفق عليه)

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوبات اہل ایمان کے فہرنسیوں کی پہے وہ یہ ہے کہ کسی شخص کا دنیوی عروج، خوشحالی اور نامومنی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسی پر رشک کیا جاتے۔ رشک کے قابل صرف دو آدمی ہیں۔ ایک وہ جسے قرآن کا علم حاصل ہو اور وہ اسے شب و روز نماز میں پڑھنے کے لیے کھڑا ہو یا اس کام میں لگا ہو کہ خلق نہ اکو اس کی تعلیم دے اور اس کی تبلیغ و تلقین کرے۔ — دوسرا

وہ شخص قابل رشک ہے جسے مال و دولت حاصل ہو اور وہ اسے حیا شنیوں اور دوسرے غلط کاموں میں خرچ کرنے کے بجائے شب و روز اندھی راہ میں خرچ کر لے جائے ہو۔

یہ وہ تعلیم ہے جس کے ذریعے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کے ذہنوں کو بدلا دیا ہے اور انہیں نئی قدریں (VALUES) عطا فرمائی ہیں۔ انہیں یہ بتایا ہے کہ قدر کے قابل اصل میں گیا چیز ہے اور انسانیت کا وہ اعلیٰ نمونہ کیا ہے جس کے مطابق انہیں خود کو ڈھانے اور بنانے کی تمنا اور کوشش کرنی چاہیے۔

حدیث کے متن میں رشک کے بجائے حسد کا فقط استعمال کرنے کی وجہ ہے کہ رشک ایک ایسی چیز ہے جو حسد کی طرح آدمی کے دل میں آگ نہیں بھڑکاتی ہے اور حسد وہ چیز ہے جو اگرچہ رشک ہی کی ایک قسم ہے لیکن اتنی تیز ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی کے دل میں ایک آگ سی لگی ہوتی ہے اس لیے یہاں رشک کے جذبے کی شدت کو ظاہر کرنے کے لیے حسد کا فقط استعمال کیا گیا ہے۔

حسد میں اصل عیب یہ ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی یہ چاہتا ہے کہ قلال چیز دوسرے شخص کو نہ ملے بلکہ مجھے ملے، یا اس سے پھر جانتے اور مجھوں کو مل جانتے۔ یا بدرجہ آخر اگر مجھے نہیں ملتی تو اس کے پاس بھی نہ رہے۔ یہاں حسد کی یہ کیفیت مراو نہیں ہے بلکہ یہاں یہ لفظاً صرف اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ رشک کے جذبے کی شدت ظاہر ہو۔ یعنی اگر تم حارے دل میں رشک کی آگ لگنی بھی ہے تو اس غرض کے لیے لگنی چاہیے کہ تم ایسے ہو جاؤ کہ رات دن قرآن پڑھنے اور اس کی تعلیم دینے میں لگے رہو یا ایسے ہو جاؤ کہ تمھیں

مال نصیب ہو تو اسے خوب اللہ کی راہ میں ٹھاؤ۔ یہاں تک کہ رسول کے
یہیے قابلِ رشک نومنہ بن جحاو۔

۶- قرآن مجید اور مومن کا تعلق

عَنْ أَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي
يَقْرَأُ الْقُرْآنَ مَثَلُ الْوَتْرِ مَجَةٌ يَرْيَحُهَا طَيْبٌ وَ
طَعْنُهَا طَيْبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ
مَثَلُ الشَّمْرَةِ لَا رِيحَ لَهَا وَطَعْنُهَا حَلْوٌ وَمَثَلُ
الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْعَنْظَلَةِ لَنْسَ
لَهَا رِيحٌ وَطَعْنُهَا أَمْرٌ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ
مَثَلُ الرَّيْحَانَةِ يَرْيَحُهَا طَيْبٌ وَطَعْنُهَا أَمْرٌ مُشَفِّقٌ
عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ : الْمُؤْمِنُ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ
بِهِ كَالْأُقْرَبَةِ وَالْمُؤْمِنُ لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَعْمَلُ
بِهِ كَالشَّمْرَةِ -

حضرت ابو موسیٰ اشری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو مومن قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ترجیح کی
سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی حمدہ ہوتی ہے اور اس کا مزہ بھی اچھا ہوتا
ہے۔ اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجر کی سی ہے کہ اس کی
خوشبو نہیں ہوتی البتہ مزہ اس کا میٹھا ہوتا ہے۔ اور جو منافق قرآن
نہیں پڑھتا ہے اس کی مثال خطل (ایلا) کی سی ہے کہ اس کی خوشبو

بھی کوئی نہیں ہوتی اور اس کا مردہ بھی کڑوا جوتا ہے۔ اور جو منافق قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال خوشید وار چول کی سی ہے کہ اس میں خوشید تو ہوتی ہے لیکن مردہ اس کا کڑوا ہوتا ہے — ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ — جو مومن قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے اس کی مثال ترجیح کی سی ہے اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا لیکن اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال کھجور کی سی ہے۔ (متفرق ملیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی عظمت ذہن نشین کرنے کے لیے کیسی بے تغیر مثالیں بیان فرمائی ہیں — یعنی قرآن مجید بجا تے خود ایک خوشید ہے، اگر مومن اسے پڑھے کاتب بھی اس کی خوشید پہلے گی اور اگر منافق پڑھے کاتب بھی اس کی خوشید پہلے گی۔ البتہ مومن اور منافق کی شخصیتوں میں بوجھی فرق ہوتا ہے وہ ایمان اور نفاق کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر مومن ہے اور قرآن نہیں پڑھتا ہے تو خوشید تو اس کی نہیں پہلی ہی لیکن اس کی شخصیت بہرحال اس پھل کے ماند ہے جو خوش ذائقہ ہو۔ لیکن اگر منافق ہے اور قرآن نہیں پڑھ رہا ہے تو اس کی خوشید بھی نہیں پہلی ہی اور اس کی شخصیت بھی تلخ اور بدمردہ پھل کے ماند ہوتی ہے۔

ایک دوسری روایت میں الفاظ یہ ہیں کہ وہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے اس کی مثال ترجیح کی سی ہے اور وہ مومن جو قرآن نہیں پڑھتا مگر اس کے مطابق عمل کرتا ہے اس کی مثال کھجور کی سی ہے۔ ان دونوں روایتوں میں فرق کی نوعیت بس اتنی ہے کہ ایک روایت میں قرآن پڑھنے اور ایمان رکھنے کے نتائج بیان کئے گئے ہیں اور دوسری میں قرآن پڑھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے نتائج بیان کئے گئے ہیں۔ اصلی

حیثیت سے مفہوم دونوں کا ایک ہی ہے۔

۷۔ قرآن — دُنیا اور آخرت میں سر بلندی کا فریجہ

عَزْلٌ عَمَّا بِنِ الْخَطَابِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ مِهْذَانِ الْكَافِرِ أَقْوَامًا وَيُضَعِّفُ بِهِ أَخْرَيْنَ۔ (رَدَاةً مُسْلِمٌ)

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اشد اس کتاب (قرآن) کے ذریعے سے کچھ لوگوں کو اٹھاتے گا اور کچھ لوگوں کو گراٹے گا۔ (سلم)

مراد یہ ہے کہ جو لوگ اس کتاب کو کے کھڑے ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں ترقی دے گا اور دُنیا اور آخرت دونوں میں سر بلند کرے گا۔ لیکن جو لوگ اس کتاب کو کے پڑھ رہیں گے اور اس کے مطابق عمل نہیں کریں گے یا اس کتاب کو روک کر دیں گے اللہ تعالیٰ ان کو گرا دے گا۔ ان کے لیے نہ دُنیا کی سر بلندی ہے اور نہ آخرت کی سرخروانی۔

۸۔ قرآن پڑھنے کی آواز شن کر فرشتے جمع ہو جاتے میں

**عَزْلٌ أَبِي سَعِيدٍ لِلْخُدَّارِيِّ أَنَّ أَسِيدَّ بْنَ حُضَيْرَ
قَالَ بَيْتًا هُوَ يَقْرَأُ مِنَ اللَّيْلِ شُورَةَ الْبَقَرَةِ وَ فَرَسَةَ
مَرْبُوْطَةَ عِنْدَهُ إِذْجَاهَتِ الْفَرَسُ فَسَكَّتَ فَقَرَأَ
فَجَاهَتْ فَسَكَّتَ فَسَكَّتَ ثُمَّ قَرَأَ بِقَاتِ الْفَرَسِ
فَأَنْصَرَتْ وَ كَانَ أَبْشَرَ بِمَحْيِي قَرِيرِيَا مِنْهَا فَأَشْفَقَ أَنْ**

تُصِيبَهُ، وَلَمَّا أَخْرَكَ رَفِعَ رَأْسَهُ إِلَى السَّمَاءِ فَيَا ذَا مِثْلِ الظَّلَّةِ فِيهَا أَمْثَالُ الْمَصَابِيحِ، فَلَمَّا أَصْبَحَ حَلْلَتِ النَّسِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ إِنَّمَا يَا بْنَ حُضَيْرٍ إِنَّمَا يَا بْنَ حُضَيْرٍ، قَالَ فَأَشْفَقْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ أَنْ تَطَأِ يَدِي وَكَانَ مِنْهَا قَرِبًا فَانْصَرَ إِلَيْهِ وَرَفَعَتْ رَأْسُهُ إِلَى السَّمَاءِ فَلَمَّا أَمْثَلَ الظَّلَّةِ فِيهَا أَمْثَالُ الْمَصَابِيحِ فَخَرَجَتْ حَتَّى لَوْ آدَاهَا، قَالَ وَتَدْرِي مَا ذَالِكَ، قَالَ لَهُ، قَالَ بِلْكَ الْمُلَوِّذُ لَكَ دَنَتْ بِصَوْتِكَ وَلَوْ قَرَأْتَ لَأَصْبَحْتُ يَنْظُرُ النَّاسُ إِلَيْهَا لَأَتَتْنَوَّ إِلَيَّ مِنْهُمْ۔ (مُتَقَوِّلٌ عَلَيْهِ الْأَنْفَاظُ لِلْبَخَارِيِّ وَفِي مُسْلِمٍ عَوَاجِتُ فِي الْجَوَبَدْلِ خَرَجْتُ عَلَى صِيقَةِ الْمُتَكَبِّلِ)

حضرت ابو سید فدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ایسید بن حضیر نے بیان کیا کہ وہ (اپنے گھر میں) ایک رات نماز میں سورہ بقرہ پڑھ رہے تھے اور ان کا گھوڑا ان کے پاس ہی بندھا ہوا تھا۔ یہ ایک گھوڑے نے اچکنا کو دنا شروع کر دیا۔ جب وہ ناموش ہو گئے تو گھوڑا بھی سکون سے کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے پھر پڑھنا شروع کیا تو گھوڑے نے پھر اچکنا کر دنا شروع کر دیا۔ وہ پھر ناموش ہو گئے تو گھوڑا بھی ساکن ہو گیا۔ انہوں نے پھر پڑھنا تو گھوڑا اچھے کو دنے لگا۔ تب انہوں نے سلام پھیر دیا کیوں کہ ان کا بیٹا بھی اس گھوڑے کے قریب ہی تھا اور انہیں ٹرد لگا کہ کہیں وہ۔ (ایسی اچھل کو دے) اُسے

کوئی ضرر نہ پہنچا تے۔ جب انہوں نے پچھے کو گھر ڈے کے
پاس سے ہٹا دیا اور اتفاقاً آسمان کی طرف نگاہ اٹھاتی تو یکایک
امنگیں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ایک چھتری سی ہے جس کے
اندر چراغ سے روشن ہیں ۔۔۔۔۔ جب صبح ہوئی انہوں نے
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ بیان کیا
حضرت حضور نے فرمایا اے ابن حفیزہ (ایسے موقع پر
بے مکلف) پڑھتے رہا کرو۔ پھر فرمایا کہ ابن حفیزہ، پڑھتے
رہا کرو ۔۔۔۔۔ حضرت اُسید غین حفسیر بیان کرتے ہیں
کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ، مجھے ڈریہ لگا کہ میرا
گھر ڈرامیرے پچھے بھی کو کچل نہ دے کیونکہ وہ اس کے قریب
ہی تھا۔ جب میں نماز سے سلام پھیر کر اس کی طرف گیا اور
میں نے اتفاقاً اپنی نگاہ آسمان کی جانب اٹھاتی تو کیا دیکھتا
ہوں کہ گریا ایک چھتری سی ہے جس کے اندر چراغ سے روشن
ہیں۔ میں (کچھ ٹھہر اک) دہاں سے نکل آیا (یعنی آسمان کے
پیچے سے) تاکہ میری نگاہ پھر اس پر نہ پڑے۔ حضور نے
فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ وہ کیا چیز تھی چہ میں نے عرض کیا:
نہیں۔ حضور نے فرمایا: وہ فرشتے تھے جو تمہارے قرآن پڑھنے
کی آواز سن کر قریب آگئے سئے اور اگر تم پڑھتے رہتے تو ہو
سکتا ہے کہ نوبت یہاں تک آ جاتی ہے کہ لوگ ان کو دیکھتے اور
وہ لوگوں سے نہ پچھتے۔ (متفق علی)

یہ ضروری نہیں ہے کہ جب بھی کوئی شخص قرآن پڑھے تو اس کے

ساتھ ایسا ہی معاملہ پیش آتے۔ خود حضرت اُسید بن حفیر کے ساتھ بھی روز ایسا نہیں ہوتا تھا۔ قرآن تو وہ ہمیشہ پڑھتے ہی تھے لیکن اُس روز ان کے ساتھ یہ خاص معاملہ پیش آیا جس کے متعلق ہم نہیں جانتے کہ کیوں پیش آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان سے یہ نہیں فرمایا کہ یہ تمہارے ساتھ ہمیشہ ہو گا۔ یعنی اگر ہر روز رات کو اسی طرح قرآن مجید پڑھو گے تو صبح ایسی نوبت آ سکتی ہے کہ فرشتے کھڑے ریس یہاں ناک کہ لوگ انھیں دیکھ لیں۔ اس کے بعد جانے آپ نے فرمایا کہ اگر پھر کبھی ایسا موقع پیش آتے تو بلا تکلف پڑھتے رہا کرو، اس میں کوئی خطرہ نہیں ہے۔

یہ کہنا کہ آج ہمیں ایسا تجربہ کیوں پیش نہیں آتا تو بات دراصل یہ ہے کہ اس طرح کے معاملات اللہ تعالیٰ ہر کیا کے ساتھ نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ اپنی ہر مخلوق سے چھٹی کہ ہر فرد سے الگ الگ معاملہ کرتا ہے۔ اس نے سب کو سب کچھ نہیں دے دیا ہے اور نہ کوئی ایسا ہے کہ جسے کچھ نہ دیا ہو۔ لیس یہ اللہ کی دین ہے جو وہ مختلف لوگوں کو مختلف طریقوں سے دیتا ہے۔

۹- قرآن پڑھنے والے پر سکینت نازل ہوتی ہے

عَزَّ الْبَرَاءُ قَالَ كَانَ رَجُلٌ يَقْرَأُ مُسْوَرَةً
الْكَهْفَ وَإِلَى جَانِبِهِ حِصَانٌ مَرْبُوطٌ شَسْطَنَيْنِ
فَتَغْشَثُهُ سَحَابَةٌ فَجَعَلَتْ تَذْنُوا وَتَذْلُوا
وَجَعَلَ فَرَسْدَهُ يَنْفِرُ فَلَمَّا أَصْبَحَ أَنَّ النَّبِيَّ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذَلِكَ لَهُ فَقَالَ تِلْكَ
السَّكِينَةُ تَرَلَتْ بِالْقُرْآنِ - (مُتَّقٌ عَلَيْهِ)

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی سورہ کھف پڑدا تھا اور اس کے قریب ہی ایک گھوڑا اور سیلوں کے ساتھ پندرہا ہوا تھا۔ اس درد ان میں ایک بادل سا اس پر سایہ نکلن چوا، اور وہ آہستہ آہستہ نیچے آتا چلا گیا۔ جیسے جیسے وہ نیچے آتا رہا اس کا گھوڑا ازیادہ اچھلنے کو دنے لگا۔ جب صحیح ہوتی تو وہ شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے اس واقعے کا ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ وہ سکینت صحیح قرآن کے ساتھ ناصل ہو رہی تھی۔ (ستغن علیہ)

گذشتہ حدیث کے برعکس یہاں فرشتوں کے بجائے سکینت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سکینت کی قشریخ کرنا بڑا مشکل ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ مختلف مقامات پر آیا ہے اور اس کے مختلف مفہوم میں سکینت سے مراد اشتراعی کی وہ رحمت بھی ہے جو انسان کے دل میں اطمینان، سکون اور ٹھنڈک پیدا کرتی ہے اور اس کو روحانی حیثیت سے تکین بھم پہنچاتی ہے۔ اور اس سے مراد وہ نصرت بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف بطور خاص آتی ہے۔ اس سے مراد وہ فرشتے بھی ہو سکتے ہیں جو قرار و سکینت کا پیغام لے کر آتے ہیں۔ بنابریں یہ کہنا مشکل ہے کہ آیا یہ لفظ یہاں فرشتوں کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، یا یہ اشتراعی کی رحمت کی کوئی اور مشکل صحیح قرآن صاحب کے قریب آتی تھی۔

یہ سعادت بھی ہر ایک کے ساتھ پیش نہیں آتا اور خود ان صاحب کے ساتھ بھی ہمیشہ پیش نہیں آتا تھا۔ وہ کوئی خاص کیفیت تھی جو ان پر گزری۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا معنی اور مفہوم بتانے کے لیے غوجدہ ہوتے تو وہ

۱۔ صحابی ہمیشہ کے لیے حیران ہی رہتے کہ یہ ان کے ساتھ کیا معاشرہ پیش آیا۔ ان دو قویں روایتوں میں اس خاص کیفیت میں گھوڑے کے بد کرنے اور اچھتے کو دنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اوقات حیوانات وہ پیغمبر نبی دیکھتے ہیں جو انسانوں کو نظر نہیں آتیں۔ یہ بات دیکھنے میں آتی ہے کہ زارہ آنے سے پہلے پرندے خاتب ہو جاتے ہیں۔ جانوروں کو پہلے سے پہلے پل جاتا ہے کہ کوئی پیش آنے والی ہے۔ وہ ایس آنے سے پہلے کتنے اور دوسرے جانور ہم خنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کچھ ایسے حواس عطا کر دیتے ہیں جو انسانوں کو حاصل نہیں ہیں۔ اس بناء پر انہیں بعض ایسی پیغمبروں کا علم یا احساس ہو جاتا ہے جو انسان کے دائرہ علم و احساس سے باہر جوتی ہیں۔

۱۰۔ قرآن مجید کی سب سے طریقی سورت — سورۃ فاتحہ

عَرَفْتُ أَنِّي سَعِيدٌ بْنُ الْمُعَلَّى قَالَ: كُنْتُ أَصْلَى
فِي الْمُسْجِدِ فَدَعَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَلَمَّا أُجْبِيَ تَمَّ أَتَيْتُهُ فَقُلْتُ: يَا أَنَّ سُولَ اللَّهِ
إِنِّي كُنْتُ أَصْلَى، قَالَ: أَلَمْ يَقُلِ اللَّهُ إِسْتَحْيِيُوا
رِبَّكُمْ وَالرَّسُولُ إِذَا دَعَاكُمْ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا أَعْلَمُكَ
أَعْظَمَ سُورَةً فِي الْقُرْآنِ قَبْلَ أَنْ تَخْرُجَ مِنَ
الْمُسْجِدِ، فَأَخْلَنَ بِيَدِي مُّلْكَنَا أَرَدْنَا، أَنْ تَخْرُجَ
قُلْتُ: يَا أَنَّ سُولَ اللَّهِ إِنَّكَ قُلْتَ لَأُعْلَمَنَّكَ أَعْظَمَ
سُورَةً فِي الْقُرْآنِ قَالَ: أَلْحَمْدُ لِلَّهِ مَرَّاتٍ الْعَالَمَيْنِ

هِيَ السَّبِيعُ الْمَشَانِيُّ وَالْقُرْآنُ الْعَظِيمُ الَّذِي أُوْتِينَتْهُ۔
(رَفَاهُ الْجَارِيُّ)

حضرت ابو سعید بن مُحَمَّد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں سمجھ بیوی میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے آواز دے کر بلایا لیکن میں نے جواب نہ دیا (کیونکہ میں نماز پڑھ رہا تھا)۔ پھر نماز ختم کر کے میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، میں نماز پڑھ رہا تھا (اس یہے فوراً سافر نہیں ہو سکا)۔ آپ نے فرمایا: کیا اللہ نے یہ حکم نہیں دیا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیکار پر بلیک کہو جگہ وہ تمہیں بلا تین۔ پھر حضور نے فرمایا: کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت کو فتنی ہے؟

قبل اس کے کہ جنم تم سجدتے نہیں؟ — پھر آپ نے سیرا با تھا اپنے ہاتھ میں لیا اور جب ہم مسجد سے نکلنے لگے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ، آپ نے فرمایا تھا کہ آپ مجھے قرآن مجید فرمایا کہ وہ **الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** (ذینی سودہ فاتحہ) ہے۔ میںی سیعیہ مَشَانِی ہے (سات بار پڑھی جانے والی تین) اور اس کے ساتھ عظیم قرآن ہے جو مجھے دیا گیا ہے۔ (خوارث)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ کے نماز پڑھنے کے دران میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انھیں طلب فرمانے سے یہ ماف معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور نے انھیں بلا یا تھاتو وہ نقل نماز پڑھ رہے تھے کیونکہ ورنہ

نماز تو جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشے ادا کی جاتی تھی۔ چنانچہ حضورؐ کے آواز دیتے پر ان کا یہ فرض تھا کہ وہ نقل نماز پھر و ریتے اور آپؐ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے کیونکہ اللہ کے رسولؐ کی پکار پر لیک کہنا تو ہے فرض اور وہ پڑھ رہے تھے نقل نماز۔ ایک موسم کو جب اللہ کے رسولؐ کی طرف سے بلایا جاتے تو اس کا فرض ہے کہ وہ اس پر لیک کرے۔

یہ نہ سمجھنا چاہیتے کہ یہ پدراست اُس دور کے ساتھ ہی ختم ہو گئی ہے۔ نہیں، بلکہ یہ بات آج بھی اسی طرح سے اہم ہے۔ اُس وقت اللہ کے رسولؐ کی آواز لوگ کافوں سے سنتے تھے، آج اللہ کے رسولؐ کی آواز آپؐ دل کے کافوں شنکتے ہیں، بشرطیکہ دل کے کان ہوں۔ جب اللہ کے رسولؐ کی آواز آپؐ کے دل میں آتے کہ فلاں کام من nouح ہے تو آپ کا یہ فرض ہے کہ آپ رُک جائیں۔ اگر آپ نہیں رُکتے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپؐ نے رسولؐ کی پکار تھی تو فرور مگر اس پر لیک نہیں کی۔ چنانچہ اگر دل کے کان ہوں تو آپ آج بھی صاف شنکتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کو کس فریضے کی طرف پکار رہے ہیں اور آپ پر کیا فرض عائد ہوتا ہے۔

السَّبْعُ الْمُشَاهِيْدُ سے مراد وہ سات آیتیں ہیں جو نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہیں، یعنی سورۃ قاتحة۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سات آیتیں ہیں جو قرآن کی سب سے بڑی سورت ہیں اور اس کے ساتھ قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید میں یہ بتایا ہے کہ یہ سات آیتیں ہیں جو مشاذ

یہیں، اور اس کے ساتھ قرآن مجید ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایک طرف پورا
قرآن ہے اور دوسری طرف یہ سورہ فاتحہ ہے۔ اسی سے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے یہ مضمون انہ فرمایا کہ یہ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت ہے
کیونکہ پورے قرآن کے مقابلے میں اس ایک سورت کو رکھا گیا ہے ۔
غدیر کیجھے کہ یہاں سب سے بڑی سورت کا مطلب یہ نہیں ہوا کہ سورہ فاتحہ
اپنے الفاظ اور آیتوں کی کثرت کے لحاظ سے سب سے بڑی سورت ہے،
بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے مضمون کے لحاظ سے سب سے
بڑی ہے کیونکہ قرآن مجید کی ساری تفہیم کا خلاصہ اس میں آگیا ہے۔

۱۱- قرآن سے گھروں کو آباد کرو!

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَا تَجْعَلُوا إِبْرُوْتَكُمْ مَقَابِرَ إِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِي يُقْرَأُ فِيهِ سُورَةُ الْبَقَرَةِ .
(رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا: اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ شیطان اس گھر سے بھاگ جائے جس میں سورہ
بقرہ پڑھی جاتی ہے۔ (سلم)

اس حدیث میں در مضمون بیان کیے گئے ہیں:

لَهُ ذَلِكَ أَيْتَنِكَ سَبْعَارِقَنِ الْمَشَافِيَ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ (الحجر۔ ۸۰، پ ۱۵)
تو ہم نے تم کرسات ایسی آیتیں دیے رکھی ہیں جو بار بار وہ رکھنے کے لائق ہیں اور ہمیں قرآن عظیم عطا کیا ہے۔

پہلا مضمون یہ ہے کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ اس کا ایک
طلب یہ ہے کہ تمہارے گھروں کی یہ کیفیت نہ ہو کہ ان میں نہ کوئی نماز پڑھنے
والا ہر ادنة قرآن پڑھنے والا۔ یعنی ان کو دیکھ کر یہ معلوم ہی نہ ہوتا چو کہ ان کے
اندر ایمان رکھنے والے اور قرآن پڑھنے والے لوگ بتے ہیں۔ اگر کیفیت یہ
ہو تو گویا وہ گھر قبرستان ہیں۔ وہ زندہ انسانوں کی نہیں بلکہ گھروں کی بھی ہیں۔
اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ساری کی ساری نماز مسجدوں یہی میں ادا
نہ کرو بلکہ نماز کا کچھ حصہ گھروں میں بھی ادا کرو۔ اگر گھروں میں نماز نہ پڑھی
جائے تو اس کا مطلب یہ ہو کہ مسجدوں کو تو آپ نے آباد کر لیا یہیں گھر
قبرستان کی طرح ہو گئے۔ اس یہے اسی صورت ہوئی چاہیے کہ مسجدیں بھی
آباد ہوں اور گھر بھی۔ اسی بنا پر اس بات کو پسند کیا گیا ہے کہ فرض نماز
تو جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کی جاتے اور شفعتیں اور نوافل وغیرہ گھر
میں آکر ادا کئے جائیں تاکہ دو قلوب جگھیں آباد ہوں۔

دوسرامضمون یہ بیان فرمایا گیا کہ شیطان ایسے گھر سے بھاگ جاتا ہے
جس میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے — قرآن مجید کی فضیلت بمحبیت
مجھوں تیکا ہے اور ایک ایک سورت کے فضائل الگ ہیں۔ یہاں سورہ
بقرہ کی یہ فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جس گھر میں وہ پڑھی جاتی ہے شیطان
دہاں سے بھاگ جاتا ہے — ایسا کیوں ہے؟ — اس کی وجہ
یہ ہے کہ سورہ بقرہ میں معاشرتی اور گھریلو زندگی کے سارے قواعد تفصیل
سے بیان کر دیتے گئے ہیں۔ نکاح اور طلاق وغیرہ کے متصل مکمل قانون بھی
اس میں بیان کر دیا گیا ہے — معاشرت کو یہتر رکھنے کے جملہ اصول و قواعد
بھی اس میں آگئے ہیں۔ اس یہے جس گھر میں سورہ بقرہ سمجھ کر پڑھی جاتی

ہے اور اس پر عمل بھی کیا جاتا ہے وہاں شیطان کبھی فتنہ و فساد برپا کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ شیطان کو فتنے برپا کرنے کا موقع اسی جگہ ملتا ہے جہاں لوگوں کو یا تو اللہ تعالیٰ کے وہ احکام معلوم نہ ہوں جن میں انسانی زندگی کی اصلاح کے قابل ہے اور رضا بیٹے بتائے گئے ہیں اور یا احکام معلوم تو ہوں لیکن ان کی خلاف ورزی کی جا رہی ہو۔ لیکن جہاں احکام بھی معلوم ہوں اور ان کی اطاعت بھی کی جا رہی ہو وہاں شیطان کو کام کرنے کا موقع نہیں ملتا اور نہ وہ کوئی فتنہ برپا کرنے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

۱۲- قرآن مجید قیامت کے روز شفیع بن کرتے گا

عَزْلٌ أَلِيٌّ أُمَّامَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ...
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : إِقْرَأْ الْقُرْآنَ
 فَإِنَّهُ يَأْتِيٌّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِاصْحَاحِهِ
 إِقْرَأْ الْزَهْرَاءِ وَبْنَ الْبَقَرَةِ وَسُورَةَ الْعِمْرَانَ
 فَإِنَّهُمَا تَأْتِيَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَانُوكُمْ مَا غَامَتُكُمْ
 أَوْغَيَّا بَيْتَانِ أَوْ فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تَحْاجَانِ
 عَنْ أَصْحَاحِهِمَا، إِقْرَأْ فِرْقَانًا سُورَةَ الْبَقَرَةِ فَإِنَّ
 آخْذَهَا بَرَكَةٌ وَتَرْكَهَا حُسْنَةٌ وَلَا يَسْتَطِعُهَا
 الْبَطْلَةُ۔ (نقاهہ مصلی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُننا ہے: قرآن مجید پڑھا کر وکیر نکہ وہ قیامت کے دن اپنے پڑھنے والوں

کے یہ شفیع (سفرارش کرنے والا) بن کر آئے گا۔
 چکتی ہوئی روشن سورتیں البقرہ اور آیل عمران پڑھا کر دے۔ کیونکہ
 یہ دونوں قیامت کے روز اس طرح سے آئیں گی جیسے کہ وہ
 چھتریاں ہیں، یا سایہ کرنے والے بادل ہیں، یا پہنچوں کے دو چینہ
 ہیں جو پرچھیلائے ہوتے ہوں۔ وہ اپنے پڑھنے والوں کی طرف
 سے جمعت پیش کرنے والی ہوں گی۔ — سورة البقرہ
 پڑھا کر و کیونکہ اس کا اختیار کرنا برکت ہے اور اس کا چھوڑ دینا
 حسرت ہے اور باطل پرست اس کو برداشت نہیں کر سکتے۔
 (مسلم ۲)

اس حدیث میں پہلی بات یہ ارشاد فرمائی گئی ہے کہ قرآن مجید پڑھا
 کر و کیونکہ وہ قیامت کے روز اپنے پڑھنے والوں کے یہ شفیع بن
 کرا آئے گا۔ شفیع بن کرانے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ انسانی شکل میں
 کھڑا ہو کر سفارش کرے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی آدمی نے
 دنیا میں قرآن پڑھا اور اس کے مطابق اپنی زندگی کی اصلاح کی تو اس
 کا یہ عمل آخرت میں اس کی شفاعت کا منصب بنے گا۔ قیامت کے
 روز اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ بات پیش ہو گی کہ اس بندے نے آپ
 کی کتاب پڑھی تھی۔ اس کے دل میں ایمان تھا جس کی بناء پر اس نے
 اس کتاب کی طرف رجوع کیا تھا اور اس کے پڑھنے میں اپنا وقت
 صرف کیا تھا۔ اس نے اس سے احکام معلوم کرنے اور ہدایات حائل
 کرنے اور پھر اپنی زندگی کو ان کے مطابق ڈھانے کی کوشش کی تھی۔
 یہ ساری چیزیں اس نے ایمان ہی کی بناء پر توکی تھیں۔ اس نے اپنے اس بندے

کے ساتھ عقول درگز کا معاملہ کیجئے اور اسے اپنی رحمتوں اور نعمتوں سے فواز بے۔
 دوسری سچیر حضورؐ نے یہ ارشاد فرمائی کہ قرآن مجید کی دونہ نہایت روشن
 سورتیں یعنی البقرہ اور آل عمران پڑھا کرو۔ ان کو جس بناء پر روشن سورتیں
 فرمایا گیا وہ یہ ہے کہ ان دونوں سورتوں کے اندر اہل کتاب اور شرکیں
 پر محجّت تام کر دی گئی ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی ان سورتوں
 میں ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بارے میں پوری پوری ہدایات نے
 دی گئیں، ان کی جنگ کے بارے میں بھی ان کی صلح کے بارے میں بھی،
 ان کے نظام اقتصادی کے بارے میں بھی اور ان کے نظام اخلاقی کے متعلق
 بھی۔ غرض ان دونوں سورتوں میں قرآن مجید کی ساری تعلیمات بڑی حد تک
 بیان ہو گئی ہیں۔ اس یہے فرمایا کہ یہ دو روشن سورتیں پڑھا کرو۔ قیامت
 لے روز یہ اس طرح آئیں گی جیسے کوئی پھتری یا بادل ہو جائے پرندوں
 کے چھٹے ہوں جو اپنے پر پھیلاتے ہوئے ہوں، اور یہ اپنے پڑھنے والوں
 کی طرف سے جگت پہنچ کرنے والی اور ان کی حمایت کرنے والی ہوں گی۔
 قیامت کے روز جب کہ کسی کے لیے سایہ نہ ہو گا یہ سورتیں اُس بندہ سوکن
 کے لیے سایہ بھی ہوتی ہوں گی جو دنیا میں ان کی تلاوت کرتا رہا اور ان سے
 احکام معلوم کر کے ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ اس طرح یہ
 سورتیں آدمی کو قیامت کے روز کی سختیوں سے بچانے والی ہوں گی۔
 بھر خاص طور پر سورۃ البقرہ کے متعلق فرمایا کہ جو شخص اسے پڑھتا ہے
 اس کے لیے اس کا پڑھنا باعث برکت ہے اور جو اسے چھوڑتا ہے اس کا پھونا
 اس کے لیے باعثِ حرث ہے۔ وہ شخص قیامت کے روز افسوس کرے
 گا کہ دنیا میں اتنی بڑی نعمت سورۃ البقرہ کی شکل میں اس کے پاس آئی تھی

مگر اس نے اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا، اس کی کچھ قدر نہ کی۔ پھر فرمایا کہ باطل پرست لوگ اس کو برواشت نہیں کر سکتے۔ مرا دیس ہے کہ جس شخص کے اندر ذرہ برابر بھی باطل پرستی موجود ہوگی وہ اس سورہ کو برواشت نہیں کر سکے گا کیونکہ اس کے انداقل سے لے کر آخرتک ایسے باطل شکن مقامیں بیان کئے گئے ہیں کہ کرتی باطل پرست اس سورت کا تحمل نہیں کر سکتا۔

۱۳۔ سورۃ البقرہ اور آل عمران کی پیشوا فی کریں گی۔

عَنِ النَّوَاسِ بْنِ سَمْعَانَ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: يُؤْمِنُ بِالْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَهْلِهِ الَّذِينَ كَانُوا أَعْمَلُونَ بِهِ تَقْدُمُهُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَآلِ عِمْرَانَ كَانُوكُمْ أَغْمَامَتَانِ أَوْظُلَّتَانِ سَوْدَاءِ وَأَنِ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ أَوْ كَانُوكُمْ فَرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافٌ تُحَاجِجُنَّ عَنْ صَارِيْحِهِمَا۔ (رواۃ مسلم)

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہیں تھا ہے: قیامت کے روز قرآن مجید اور وہ لوگ کہ جو اس کے مطابق عمل کیا گرتے تھے لاتے جائیں گے اور ان کے آگے آگے سورۃ البقرہ اور آل عمران ہوں گی۔ اس طرح کہ گویا وہ بادل ہیں یا اپریاہ ہیں جن کے اندر چک اور دشمنی ہے یا وہ پرندوں کے جھنڈے ہیں جو اپنے پر بھلاتے پر بھلاتے ہوتے ہیں۔ یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں کے لیے سمجھتے پیش کرتی ہوئی آئیں گی۔
(سرم)

گزشتہ حدیث میں بھی یہی مضمون تھوڑے سے فرق کے ساتھ بیان ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ان دونوں حدیشوں کی روایت کرنے والے دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنائیں اور دونوں نے اپنے اپنے الفاظ میں اسے بیان کیا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مضمون متعدد مواقع پر بیان فرمایا ہو اور دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایتیں دو مختلف مواقع سے متعلق رکھتی ہوں ۔ ۔ ۔ پھر حال یہ بات واضح ہے کہ ان دونوں حدیشوں کا مضمون قریب

قریب یکساں ہے۔

پہلی روایت میں صرف قرآن مجید پڑھنے والوں کا ذکر تھا لیکن اس حدیث میں اس کے مطابق عمل کرنے والوں کا ذکر ہے، اور ظاہر بات ہے کہ قرآن مجید اگر شفیع ہو سکتا ہے تو انہی لوگوں کے لیے ہو سکتا ہے جو بخشن اسے پڑھ کر ہی شرہ جائیں بلکہ اس کے مطابق عمل بھی کریں۔ بالفرض اگر کوئی شخص قرآن مجید پڑھتا تو ہے یہیں اس کے مطابق عمل نہیں کرتا تو قرآن اس کے حق میں جھٹ نہیں ہو سکتا۔

اس حدیث میں اس بات کی وضاحت ہو گئی ہے کہ قرآن مجید اپنے اُن پڑھنے والوں کی شفاعت اور حمایت کرے گا جو اس کے مطابق عمل بھی کرنے والے ہوں۔ قیامت کے روز جب ایمان اللہ تعالیٰ کے حضور میں جائیں گے تو ان کو کہے کر جانے والا قرآن ہو گا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو گریا ہے ان کے پاس ان معنوں میں ایک ۰۰ جھٹ ہو گا کہ حضور یہ آپ کا پڑایت اللہ تعالیٰ اور اس کے مطابق ہم دنیا میں

زندگی بس کر کے آتے ہیں۔ اس طرح ان کی بخشش کے لیے یہ پھر بجا
خود کافی سفارش ہو گی ۔۔۔ یہ معاملہ صرف اہل ایمان کے ساتھ ہو گا۔
اس روز کافر یا مخالف کے ساتھ قرآن نہیں ہو گا، اور زان لوگوں کے ساتھ
ہو گا جو اس کو جانتے تھے یا ان پر بھی اس کی خلاف ورزی کرتے تھے۔

پھر فرمایا کہ سورۃ بقرہ اور آل عمران اہل ایمان کے آگے آگے ہوں گی۔
اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ احکامی سورتیں ہیں۔ سورۃ بقرہ میں انفرادی اور اجتماعی
زندگی کے لیے احکامی بدایات دی گئی ہیں اور سورۃ آل عمران میں مخالفین کفار
اور اہل کتاب سب کے بارے میں ہدایات بیان کی گئی ہیں۔ مزید برآں یہ
جنگِ اُحد کے تبصرے پر بھی مشتمل ہے۔ اس طرح یہ دونوں سورتیں ایک ہوئی
کی زندگی کے لیے ہدایت نامے ہیں۔ الگ کوئی شخص ان کے مطابق اپنی معاشرت
کو درست کر لے، اپنی معاش اور سیاست اور اپنے تندان کو ان کے مطابق ڈھال
لے اور دنیا میں مختلف دشمنانِ اسلام کے ساتھ جو معاملات ہیں آتے ہیں ان میں
وہ ان کی ہدایات کے مطابق ٹھیک ٹھیک کام کرے تو اس کے بعد پھر اس کی
بخشش میں کوئی کسر باقی نہیں رہ جاتی۔ چنانچہ یہ دونوں سورتیں سید بن حشر
میں اہل ایمان کی حفاظت کریں گی، اُنھیں اُس تمازُت سے بچائیں گی جو اُسوقت
و ریا ہو گی اور اُن کی عدالت میں جا کر ان کے لیے جنت ہیش کریں گی۔

۱۲۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت — آیت الکرسی

عَنْ أَبِي بْنِ كَعْبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَا أَبَا الْمُنْذِرِ ، أَتَدْرِي أَثْيُ
أَيْةٍ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى مَعَكَ أَعْظَمُ ، قُلْتُ أَللَّهُ

وَرَسُولُهُ، أَعْلَمُ، قَالَ : يَا أَبَا الْمُتَنِّدِينَ، أَتَدْرِي أَيْ
إِيَّهِ مِنْ كِتَابِ اللَّهِ تَعَالَى مَعَكَ أَعْظَمُ، قَلْتُ :
أَنَّهُ لَوْلَهُ إِلَّا هُوَ الْحَقُّ الْقَيْوُمُ قَالَ فَضَرَبَ فِي
صَدْرِي وَقَالَ : لِيَهُنِّكَ الْعِلْمُ يَا أَبَا الْمُتَنِّدِينَ -
(دَوَادَةُ مُسْلِمٍ)

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا : اے ابو منذر، جانتے ہو
تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی بڑی کتاب (قرآن مجید) ہے اس کی
کوئی آیت سب سے بڑی ہے؟ میں نے عرض کیا : اللہ اور
اُس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے۔ حضور نے پھر ارشاد فرمایا :
اے ابو منذر، کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی
بڑی کتاب ہے اس کی سب سے بڑی آیت کوئی ہے؟ میں
نے عرض کیا : آنَّهُ لَوْلَهُ إِلَّا هُوَ الْحَقُّ الْقَيْوُمُ (یعنی آیت
اکریں)۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے
پر ہاتھ مارا اور فرمایا : اے ابو منذر، یہ علم تمہیں مبارک ہو۔
(مسلم)

ابو منذر حضرت اُبی بن کعب کی کنیت ہے۔ حضرت اُبی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے اُن صحابیوں میں سے تھے جو قرآن کے سب سے زیادہ جانتے
داۓ اور قرآن مجید کے فاضل تھے اور مصاحبہ کرامؓ میں سے بہترین فہم قرآن
کے حامل سمجھے جاتے تھے۔

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ تعلیم میں سے ایک طریقہ ہے۔

آپ صحابہ کرامؓ سے یہ معلوم کرنے کے لیے کوئی نہیں کہ اُنھوں نے اللہ کے دین کو اور قرآن کو کتنا کچھ سمجھا ہے بعض اوقات خاص شناس سوالات کیا کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کا یہ طریقہ تھا کہ حضورؐ کے سوال پر اس امید میں کہ کچھ مزید معلومات حاصل ہوں گوہ اپنے علم کے مطابق جواب دینے کے سجاہتے یہ عرض کیا کرتے تھے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو زیادہ معلوم ہے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ بات خود تایین۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سوال کرنے سے یہ ارادہ ہوتا تھا کہ صحابہ کرام کو مزید علم لکھا میں تو صحابہؓ کے یہ عرض کرنے پر کہ آللہ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ ہے آپ اپنے سوال کا خود جواب دے دیا کرتے تھے اور اگر آپ کا ارادہ ان کی معلومات کو جانتے ہی کا ہر تاھتا نہ آپ اپنے سوال کو پھر دہراتے تھے تاکہ صحابہؓ اپنی طرف سے جواب دیں۔ یہاں یہی صورت پیش آئی۔ حضورؐ نے حضرت اُبی بن کعب سے پہلی وضیہ سوال کیا تو اُنھوں نے جواب میں عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ معلوم ہے مگر چونکہ حضورؐ کے پیش نظر یہ معلوم کرتا تھا کہ حضرت اُبی بن کعب کے فہم میں قرآن مجید کی سب سے زیادہ وزنی آیت کو نہیں ہے اس لیے آپ نے دوبارہ وہی سوال کیا۔ اس پر اُنھوں نے عرض کیا کہ سب سے بڑی آیت آیت الکرسی ہے بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس جواب کی تصویب فرمائی۔ آیت الکرسی کی یہ عظمت اور اہمیت اس بتا پر ہے کہ یہ قرآن مجید کی ان چند آیتوں میں سے ہے جن میں توحید کی سکل تعریف بیان ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا بتہدن بیان ایک سورہ حشر کی آخری آیات ہیں، ایک سورہ الفرقان کی ابتدائی آیات ہیں، ایک سورہ الحلاس ہے اور ایک یہ آیت الکرسی ہے — جب حضرت اُبی بن کعب نے یہ

جواب دیا تو حضرت نے آپ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ تمہیں یہ علم مبارک
ہے۔ واقعی تم نے صحیح سمجھا ہے۔ قرآن مجید کی سب سے بڑی اور اہم آیت
یہی ہے۔

قرآن بیہد اسد تعالیٰ کا صحیح تصور دلانے ہی کے لیے آیا ہے۔ اگر
انسان کو اسہد تعالیٰ کا صحیح تصور حاصل نہ ہو تو باقی ساری تعلیم بے معنی ہو جاتی ہے۔
تو حجید آدمی کی سمجھ میں آجائے کام مطلب یہ ہے کہ دین کی بنیاد فاتح ہو گئی۔ اس بنا پر
قرآن مجید کی سب سے بڑی آیت وہ ہے جس میں تو سید کے منشور کو بہترین
طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

۱۵۔ آیتہ الکرسی کی فضیلت کے متعلق ایک عجیب واقعہ

عَزْ أَيُّ هُرَيْرَةَ قَالَ وَكَلَّيْنِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحِفْظِ زَكَوَةِ رَمَضَانَ فَأَتَتْنِي
إِلَيَّ فَعَقَلَ يَخْشُو مِنَ الطَّعَامِ فَأَخَذْتُهُ وَقُلْتُ
لَا رَغْنَكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ
إِذْ مُحْتَاجٌ وَعَلَىٰ عِيَالٍ وَلِحَاجَةٍ شَدِيدَةٍ ،
قَالَ فَعَلَيْتُ عَنْهُ فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ أَسِيرُكَ الْبَارِحَةَ ، قُلْتُ
يَا رَسُولَ اللَّهِ شَكِّي حَاجَةَ شَدِيدَةَ وَعِيَالَةَ فَرَحْمَةَ
فَخَلَقْتَ سَيِّلَةً ، قَالَ أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ
فَعَرَفْتُ أَنَّهُ سَيَعُودُ لِقَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ إِنَّهُ سَيَعُودُ فَرَصَدْتُهُ فَعَادَ يَخْشُو مِنَ الطَّعَامِ

فَأَخْذَتْهُ فَقَلْتُ لَوْرْ فَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ دَعْنِي فَإِنِّي مُحْتَاجٌ وَعَلَى عِيَالٍ لَا أَعُودُ فَرَجِمْتُهُ فَخَلَيْتُ سَيِّلَةً فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ مَا فَعَلَ أَسِيرِكَ، قُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ شَكِ حَاجَةَ شَدِيدَ وَعِيَالًا لَا فَرَجِمْتَهُ فَخَلَيْتُ سَيِّلَةً، فَقَالَ أَمَا إِنَّهُ قَدْ كَذَبَكَ وَسَيَعُودُ فَرَصَدْتُهُ فَجَاءَ يَحْثُو مِنَ الطَّعَاءِ فَأَخْذَتْهُ فَقَلْتُ لَوْرْ فَعَنَّكَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَذَا اخْرُثُ ثَلَاثَ مَرَاتٍ إِنَّكَ تَزْعُمُ لَا تَعُودُ ثُمَّ تَعُودُ، قَالَ دَعْنِي أَعْلَمُكَ كَلِمَاتٍ يَنْفَعُكَ اللَّهُ بِهَا إِذَا أَوْبَتَ إِلَى فِرَاشَكَ فَاقْرَأْ أَيْهَةَ الْكُرْسِيِّ أَمَّا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَقُّ الْقَيْوُمُ حَتَّى تَحْتِمُ الْأَيْهَةَ فَإِنَّكَ لَنْ يَزَالَ عَلَيْكَ مِنَ اللَّهِ حَافِظًا وَلَا يَقْرِبُكَ شَيْطَانٌ حَتَّى تُصْبِحَهُ، فَخَلَيْتُ سَيِّلَةً فَأَصْبَحْتُ فَقَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا فَعَلْتَ أَسِيرِكَ قُلْتُ تَرَعَمَ أَنَّهُ يُعْلَمُنِي كَلِمَاتٍ يَنْفَعُنِي اللَّهُ بِهَا، قَالَ أَمَا إِنَّهُ صَدَقَكَ وَهُوَ كَذُوبٌ وَقَلْمَرٌ نُخَاطِبُ مُنْثُلٌ ثَلَاثَ لِيَالٍ، قُلْتُ لَا، قَالَ دَاكَشِيطَانٌ (رَوَاهُ الْبَخَارِيُّ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زکوٰۃ رِضوان کی حفاظت کا کام سنبھا

مکھا۔ پس ایک رات، ایک آنے والا آیا اور وہ اس غلہ وغیرہ کو سیٹھنے لگا (جو دباؤ جمع تھا)۔ میں نے اُسے پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کروں گا۔ وہ کہنے لگا، میں محتاجِ آدمی چوں میرے بال پتھے ہیں اور میں بہت حاجت سند ہوں۔ میں نے (ترس کھاک) اسے چھوڑ دیا۔ جب صحیح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا، اسے ابو ہریرہؓ رات جن شخص کو تم نے پکڑا تھا اس کا کیا بنایا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، اس نے اپنی سخت حاجت سندی بیان کی اور کہا کہ میرے بہت بال پتھے ہیں، اس لیے میں نے اس پر ترس کھا کر اسے چھوڑ دیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اُس نے تم سے جھوٹ بولा، وہ پھر آتے گا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ ضرور آتے گا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ وہ پھر آتے گا۔ پس میں اس کی تاک میں لگا رہا۔ رات وہ پھر آیا اور غلہ وغیرہ سیٹھنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور اس سے کہا کہ میں تمھیں ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کروں گا۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو کیونکہ میں محتاجِ آدمی ہوں اور میرے بال پتھے ہیں۔ اب میں پھر یہیں آؤں گا۔ میں نے پھر اس پر رحم کیا اور اسے چھوڑ دیا۔ دوسرے روز صحیح، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا: اسے ابو ہریرہؓ تھا قیدی کا کیا بنایا؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ، اس نے اپنی سخت حاجت سند کی کی شکایت کی اور کہا کہ میرے بہت بال

بچتے ہیں اس لیے میں نے اس پر حکم کیا اور اسے پھر چھوڑ دیا —
 حضور نے پھر ارشاد فرمایا، اس نے تم سے مجبوب بولا ہے، وہ پھر
 آئے گا — میں پھر اس کی تاک میں لگا رہا۔ وہ پھر آیا اور قلہ دخوا
 سیٹھنے لگا۔ میں نے اسے پکڑا یا اور اس سے کہا کہ اب کچیں تجھے
 ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کروں گا । یہ مسری
 اور آخری مرتبہ ہے۔ ہر دفعہ تو کہتا ہے کہ میں پھر نہیں آؤں گا
 اور پھر آ جاتا ہے۔ اس نے کہا مجھے چھوڑ دو۔ میں تھیں کچھ ایسے
 کلمات سکھا تا ہوں جن سے اللہ تعالیٰ تھیں فائدہ پہنچاتے گا۔ جب
 تم رات کو سونے کے لیے اپنے بستر پر لیٹ جاؤ تو آیت الکرسی
 — **أَللَّهُ أَكْبَرُ إِلَّا إِلَهٌ مُّنَاهٌ إِلَّا قَوْمٌ مُّغْرَبٌ** آخر آیت تک پڑھ دیا
 کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو اشہر کی طرف سے تھماری حفاظت ہوتی
 رہے گی اور صحیح نہ کرنی شیطان تھمارے قریب نہیں آتے گا۔

جب اس نے یہ چیز مجھے سکھاتی تو میں نے اسے چھوڑ دیا —
 اگلی بیج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مجھ سے دریافت فرمایا
 کہ تھمارے قیدی کا کیا ہوا؟ — میں نے پھر عرض کیا: اس
 نے مجھے کچھ کلمات سکھائے ہیں اور اس کا دعویٰ تھا کہ ان کلمات
 کی بدولت اشہر تعالیٰ مجھے ففع پہنچاتے گا — رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بات تو اس نے پچھی کی مگر ہے وہ
 نہایت جھوٹا! — تھیں معلوم ہے کہ تین راتوں سے تم کس
 سکے سامنہ مخاطب تھے؟ — میں نے عرض کیا کہ نہیں، میں
 نہیں جانتا۔ حضور نے ارشاد فرمایا وہ ایک شیطان تھا۔ (بخاری)

زکرۃ رمضان سے مراد کھانے پینے کا وہ سامان، غلہ اور الیسی چیزوں میں جو بھی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے زمانے میں تقسیم کی خاطر رکھتے تھے۔ دن کے وقت تقسیم سے جو بچ جاتا رہا تو اس کی حفاظت کی ضرورت پیش آتی۔ ایک وفید جب حضرت ابو ہریرہؓ اس سامان کی

حفاظت پر مقرر تھے تو یہ واقعہ پیش آیا جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔

یہ اس طرح کے واقعات میں سے ہے جن کے بارے میں انسان کوئی توجیہ نہیں کر سکتا کہ ایسا کیون نکر جوا۔ بہر حال اس طرح کی صورتیں بعض اوقات انسانوں کے ساتھ پیش ضرور آتی ہیں۔ — حضرت ابو ہریرہؓ کے ساتھ بھی یہ شکل پیش آتی۔

یہ حدیث فضائل القرآن کے باب میں اس وجہ سے نقل کی گئی ہے کہ شیطان خود اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اُس شخص پر اس کا کوئی بس نہیں چلا جو رات کو آیت الکرسی پڑھ کر سوتا ہے۔

یہ بات چلے بھی بیان کی جا پکی ہے کہ قرآن مجید میں چند مقامات ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کی توحید کو ہر مرد میں طریقے سے بیان کیا گیا ہے، اور توحید کا مکمل تصور پیش کیا گیا ہے۔ ان میں سے ایک مقام = آیت الکرسی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ جو آدمی کے دل و دماغ میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا تصور رپھ بس گیا ہو اس پر شیطان کا بس کہاں چل سکتا ہے۔ شیطان تو اس کے قریب بھی نہیں پہنچ سکتا۔

آیت الکرسی کے کلامات بذاتِ خود بھی با برکت ہیں لیکن اگر پڑھنے والا سمجھ بھی رہا ہو کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے تو پھر اس پر کسی شیطان کا زور نہیں چل سکتا۔

۱۶۔ دُو قور—جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کئے گئے

عَنْ أَبْنَى عَبَّارِينَ قَالَ بَيْنَمَا جَبَرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ
 قَاعِدٌ عِنْدَ الْتَّبِيِّنِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ نَقِيْصاً
 مِنْ فَوْقِهِ فَرَفَعَ رَأْسَهُ فَقَالَ هَذَا بَابٌ مِنَ النَّمَاءِ
 نُزَّهَ الْيَوْمَ لِمَرْيَقَةَ قُطُّ إِلَّا يَوْمَ فَنَزَلَ مِنْهُ مَلَكٌ
 قَالَ هَذَا مَلَكٌ نَزَلَ إِلَى الْأَرْضِ لَمْ يَنْزِلْ قُطُّ إِلَّا
 إِلَيْهِ الْيَوْمَ فَسَلَّمَ فَقَالَ أَبْشِرْ بْنُو سَرَيْنَ أُدْبِيْتُهُمَا لِمَرْيَقَةَ
 نَبِيٍّ قَبْلَكَ، فَإِنَّهُ الْكِتَابُ وَحْوَاهِيْلُ سُوْرَةُ الْبَقْرَى^۱
 لَنْ تَقْرَأْ بِحَرْفٍ مِنْهُمَا إِلَّا أُعْطِيْتَهُ۔ (نَدَاءُ مُسَمِّعٍ)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریلؑ علیہ السلام بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہیکا ایک انخوں نے آسمان کی طرف سے ایک ایسی آواز سنی ہے کہی شہریک کی پہنچنے یا کسی چکان کو کھونتے کی آواز جوتی ہے۔ حضرت جبریلؑ نے اپنا سر اور اٹھا کر دیکھا اور پھر حضورؐ سے عرض کیا کہ یہ آسمان کا ایک دروازہ ہے جو آج پہلی دفعہ کھول لگیا ہے اور اس سے پہلے کبھی نہیں کھول لایا۔ اتنے میں اس دروازے سے ایک فرشتہ نازل ہوا۔ جبریلؑ نے حضورؐ سے عرض کیا؛ یہ ایک فرشتہ ہے جو آسمان سے زمین کی طرف آ رہا ہے، آج سے پہلے یہ کبھی زمین کی طرف نہیں اڑتا۔ وہ فرشتہ آیا اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور پھر آپؑ سے عرض کیا؛ آپؑ کے یہے دو ایسے نوروں کی خوشخبری ہے

جو آپ ہی کو دیتے گئے ہیں۔ ایک سورہ فاتحہ اور دوسری سورہ
یہ مقرہ کی آخری آیات — ان دونوں کا اگر ایک صرف بھی
آپ پڑھیں گے تو جو دعا آپ ناہیں گے وہ آپ کو عطا کی جاتے گی۔
(صلوٰۃ)

اس حدیث کو پڑھتے ہوئے پہلا سوال جو آدمی کے ذہن میں پیدا ہوتا
ہے وہ یہ ہے کہ آسمان کا دروازہ کھلنا اور اس سے ایسی ادا کا آنے چاہا
کھلتا ہے کیا معنی رکھتا ہے؟ — اس سلسلے میں پہلی بات توبہ سمجھ لینی
چاہیتے کہ آسمان کے کسی دروازہ کے کھلنے کی اواز سخن و اے جبریل یا رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم تھے ہم اور آپ نہیں ہیں۔ دوسری پوری زبانی ہے کہ یہ ایسے معاملات ہیں
جو ہمارے حواس سے ماوراء ہیں۔ یعنی انہیں جب بھی بیان کیا جائے کا لامحہ
اسی زبان میں بیان کیا جاتے کا جو انسان بنتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ
انسانی زبان میں ان احوال و کیفیات کو ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں اور
نہیں ہو سکتے کیوں وہ احوال اور وہ کیفیات کبھی انسان کے تجربے میں نہیں
آتیں! اس لیے الامال جب بھی ان چیزوں کو بیان کیا جائے کا استعارہ اور
تمثیل کی زبان میں بیان کیا جائے کا — ڈنیا میں جس طرح کرتی چاہا
کھولا جاتا ہے اسی طرح عالم بالا کی بھی بہت سی بندشیں ہیں جنھیں کھولا جاتا ہے
تبھی کوئی پھر ان سے گزر کر آتی یا جاتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ڈھنڈار کھلا ہو
ہو کہ جو پھر جس وقت چاہے آئے یا جائے — اس سے معلوم ہوا کہ آسمان
کی کسی بندش کے کھلنے اور اپرے کسی فرشتے کے نیچے آنے کی کوئی کیفیت
ہے جس کو چاہا کھلنے کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وہ کیفیت الامال محوس
تو ہوتی ہے مگر اس کو محوس صرف اللہ کا فرشتہ یا اس کا رسول کر سکتا ہے ہم اسے

محوس نہیں کر سکتے کیونکہ یہ صلاحیت ہم جیسے عام انسانوں کو میسر نہیں ہے۔ دوسری چیز جو اس حدیث میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جو فرشتہ حضور کو خوشخبری سنائے کے یہے حاضر ہوا وہ اس سے پہلے کبھی زمین کی طرف نہیں آیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خاص یہی پیغام پہنچا کے یہے زمین کی طرف بھیجا تھا۔ ورنہ وہ زمین کی طرف آتے والے فرشتوں میں سے نہیں تھا۔ اس نے آکر جو پیغام نبی مصلی اللہ علیہ وسلم کو دیا وہ یہ تھا کہ آپ کو مبارک ہو۔ آپ کو دوالی بے نظیر چیزیں دی گئی ہیں جو پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ ان میں سے ایک چیز سورہ فاتحہ ہے اور دوسری البقرہ کی آخری آیات۔

واقع ہے کہ سورہ فاتحہ کے چند فقروں میں آنابڑا صفوں بیان کیا گیا ہے کہ پورے قرآن مجید کا خلاصہ اس میں آگیا ہے۔ رسول اللہ علیہ وسلم کا اپنا ارشاد ہے کہ مجھے ایسے الفاظ اور کلمات عطا کئے گئے ہیں جن سے بڑے بڑے مضمایں چند فقروں میں ادا ہو گئے ہیں۔ انجیل کے ناسخہ قرآن مجید کا مقابلہ کر کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بات بعض اوقات انجیل کے کئی کئی صفات میں بیان کی گئی ہے وہ قرآن کے ایک فقرے میں بیان کر دی گئی ہے۔ بالخصوص سورہ فاتحہ اس اختصار اور جامعیت کے لحاظ سے بے نظیر ہے۔ تاہم سورہ فاتحہ کی اس امتیازی شان کا یہ مطلب نہ سمجھا جاتے کہ اس میں جو مضمایں آتے ہیں وہ پہلے کسی نبی پر نہیں آتے۔ ایسا نہیں ہے کیونکہ سارے انبیاء رہی تعلیم ہے کر آتے تھے۔ البتہ فرق یہ ہے کہ اس سورہ کے چند فقروں میں وسیع معانی کا ایک سمندر سیست دیا گیا ہے اور پوری تعلیم دین کا خلاصہ

اس میں آگیا ہے۔ اس خصوصی شان کی کرتی چیز پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی۔
دوسرے جس کی خوشخبری اس فرشتے نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی وہ سورہ
بقرہ کی آخری آیات ہیں، یعنی یٰ تِمَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ سے لے کر
آخر رکوع وَ انْصُرْتَنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكُفَّارِ بنہا۔

ان آیات میں توحید کا پروابیان اور ان بیانات علیہم السلام کی ساری تعلیم کا
خلاصہ سہودیا گیا ہے، پورے کے پرستے اسلامی عقائد بیان کردیئے گئے
ہیں اور اہل ایمان کو یہ بتا دیا گیا ہے کہ اگر حق و باطل کی آوریں شیں میں کفر کی
تمام طاقتیں جبی الی کے مقابلے میں ٹوٹ جائیں تب بھی انھیں صرف اللہ
کے بھروسے پران کا مقابلہ کرنا، چاہیتے اور اللہ ہی سے نصرت اور کامیابی
کے لیے مدعا نگھی چاہیتے۔ ان آیات کے انہی غیر معمولی مضامین کی بنا پر
ان کو ایسا فور قرار دیا گیا ہے جو پہلے کسی نبی کو عطا نہیں ہوا۔

۱۔ سورہ بقرہ کی آخری دو آیتوں کی فضیلت

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : الْآيَتَانِ مِنْ أَخْرِ سُورَةِ
الْبَقَرَةِ مَنْ قَدَّرَ بِهِمَا فِي لَيْلَةٍ كَفَّتَاهُ . (متفق علیہ)
حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی
الله علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص رات کو سورہ بقرہ کی
آخری دو آیتیں پڑھے گا۔ وہ اس کے لیے کافی ہوں گی۔
(متفق علیہ)

مراد یہ ہے کہ یہ دو آیتیں آدمی کو ہر طرح کے شر سے بچانے کے

یہے کافی ہیں۔ اگر کوئی شخص ان آیات کو اچھی طرح سے سمجھ کر پڑھے تو اسے ان کی اہمیت کا تھیک ٹھیک اندازہ ہو سکتا ہے۔

۱۸۔ سورہ کہف کی بہلی دس آیتوں کی فضیلت

عَزْلٌ إِنَّ اللَّهَ رَدَاءُ قَالَ قَالَ سَرَّ سُولُمُ اللَّهُ عَزَّلَ
اَللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ حَفِظَ عَشَرَ آيَةً فَنِّ اَوْلَى
سُورَةِ الْكَهْفِ عُصِّمَ مِنَ الدَّجَالِ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

حضرت اُبُو الدَّرَادَ رضيَ اللہُ عنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص سورہ کہف کی دس ابتدائی آیتیں یاد کرے گا وہ دجال (کے فتنے) سے محفوظ رہے گا۔ (مسلم)

سورہ کہف کے ابتدائی حصے میں جو بات بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ جس زمانے میں رومی سلطنت میں عیسیٰ یوسف پر سخت ظلم و تهم توڑے چار ہے تھے اور انہیں اس بات پر مجرور کیا جا رہا تھا کہ وہ ایک خدا کو چھپوڑ کرو میوں کے سبجو دوں اور دیوتاؤں کو قتلیم کریں اور انہی کے آگے سر جھکائیں، اس زمانے میں چند فوجوں ان حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے اور وہ اس فتنہ عظیم سے بچنے کے لیے اپنا لگہ بار چھپوڑ چھاؤ کر نکل کر رہے ہوئے۔ انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ ہمیں یہ حال اپنے رب سے منہ نہیں مولنا ہے اور نہ شرک کو اختیار کرنا ہے، خواہ یہ ہو جائے۔ چنانچہ وہ بغیر کسی سہارے کے صرف اشد کے بعد سے پر پہاڑوں میں جا کر ایک غار میں بیٹھ گئے۔ فرمایا گیا کہ جو شخص سورہ کہف کی ان ابتدائی آیات

کو یاد کر لے اور اپنے دل و دماغ میں بیٹھا لے وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ دجال کا فتنہ بھی اسی نوعیت کا ہو گا جیسا کہ اس وقت ان ترجوافوں کو پیش آیا تھا ۔ ۔ ۔ اس یہے جس آدمی کے سامنے اصحابِ کھف کی یہ نظر موجود ہو گئی وہ دجال کے آگے نہیں جھکے گا۔ البتہ جو آدمی اس نظیر کو بھول گیا وہ دجال کے فتنے میں بدلہ ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر فرمایا گیا کہ جو شخص ان آیات کو اپنے فہم میں حفظ کر لے گا وہ دجال کے فتنے سے بچ جائے گا۔

۱۹- سورۂ اخلاص ایک تہائی قرآن کے برابر ہے

عَزْ أَلِ الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَيَعْجِزُ أَحَدٌ كُمْ أَنْ يَقْرَأَ فِي لَيْلَةٍ ثُلُثَ الْقُرْآنِ ، قَالُوا وَكَيْفَ يَقْرَأُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ ، قَالَ قُلْ هُوَ أَنْدَلُّ أَحَدٌ تَعْدِلُ ثُلُثَ الْقُرْآنِ ۔

(نقاشہ مسئلہ، درود ابخاری عن آغا سعید)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ کہاں میں سے کوئی شخص اس بات سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں ایس تہائی قرآن پڑھ دے؟ ۔ ۔ ۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہے یا رسول اللہ، ایک رات میں تہائی قرآن کیسے پڑھ دے؟ ۔ ۔ ۔ آپؑ نے فرمایا، وہ قُلْ هُوَ أَنْدَلُّ أَحَدٌ، پڑھ سے کیونکہ یہ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ (سلم دنباری)

قرآن کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پورا قرآن ان مضمونی پر مشتمل ہے:

ایک احکام، دوسرے بچھے انبیاء کے قصہ اور حالات اور تیسرا عقائد کی تعلیم۔

چونکہ عقائد کی جزو توحید ہے اور توحید کے بغیر عقیدہ اسلام کے کوئی معنی نہیں رہ جاتے اس سے اس حدیث میں سورہ اخلاص کو توحید کا مکمل بیان ہوئے کی وجہ سے ایک تہائی قرآن کے برابر قرار دیا گیا ہے۔

غور کیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تعلیم اور انداز تربیت کیا
ہے۔ تفہیم - حضور ایسے الفاظ اور فقروں میں تعلیم دیتے تھے جن سے بات
فوراً مخاطب کر کے دل میں اُتر جاتی تھی۔ ایک آدمی کے ذہن میں یہ بات بھٹکا
کے یہے کہ سورہ اخلاص کی کیا اہمیت ہے گھنٹوں تقریر کی جاسکتی ہے
میکی حضور نے اتنی بڑی بات کو صرف ایک فقرے میں ادا کر دیا کہ اگر تم
سورہ اخلاص ایک مرتبہ پڑھ لو تو یہ گویا ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ ظاہر
ہے کہ اس ایک جملے سے اس سورت کی جو اہمیت آدمی کے دماغ میں بھیجی
ہے وہ گھنٹوں کی تقریر سے بھی نہیں بیٹھ سکتی۔ یہ حضور کا خاص طرز تربیت تھا
جس سے آپ نے صحابہؓ کی تربیت فرمائی۔

۲۰۔ سورہ اخلاص — اللہ کے تقریب کا ذریعہ ہے

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بَعْثَ رَجُلًا عَلَى سَرِيرَةٍ وَكَانَ يَقْرَأُ لِأَصْحَابِهِ فِي

صَلَاةِ الْهَمْدِ فَيَخْتَمُ بِقُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، فَلَمَّا مَرَجَعُوا ذَكَرُوا

ذِلِكَ لِتَبَرَّىٰ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ سَلُّوْهُ لَأَنِي
شَنِيٌّ إِيَّاهُمْ ذِلِكَ فَسَأَلُوهُ فَقَالَ لِأَنَّهَا صِفَةُ الرَّجُلِينَ
وَأَنَّمَا أَحِبُّ أَنْ أَقْرَأَهُمَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ، أَخْبِرْهُمْ أَنَّ اللَّهَ يُحِبُّهُمْ (مُتَفَقُّ عَلَيْهِ)

حضرت عائشہ رضی امّتہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو ایک فوجی دستے کا قائد بناؤ کیا۔
وہ صاحب اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھاتے ہوئے اپنی قرأت ہیشہ
قلْ هُوَ اللَّهُ أَكَدْ (سورۃ اخلاص) پڑھتے کیا کرتے تھے۔ جب یہ
لوگ اس پڑھتے وہ اپس آتے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے
یہ بات بیان کی۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان صاف
سے جا کر پڑھو کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ لوگوں نے ان سے جا
کر پڑھا تو انہوں نے جواب دیا کہ اس سورت میں امّتہ تعالیٰ کا صفت
بیان کیا گیا ہے اس یہے میں اس کے پڑھنے کو محبوب رکھتا ہوں۔ یہ
شیں کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اُس شخص کو جا کر خبر روید
کہ امّتہ تعالیٰ بھی اس سے محبت کرتا ہے۔ (مُتَفَقُّ عَلَيْهِ)

شریعتِ اُس فوجی نہم کو کہتے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
خود شامل نہ ہوں، اور اس کے بر عکس غزوہ وہ فوجی نہم ہوتی ہے جس میں
حضور مسیح فیصل شرکیک ہوں۔

رسول امّتہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کرامؓ کے زمانے میں اور بعد
میں بھی ایک مدت تک یہ دستور رہا کہ نماز کی امامت وہی شخص کرتا تھا جو
جماعت کا امیر ہوتا تھا۔ یعنی اگر کوئی شخص کسی فوجی دستے کا کمانڈر ہوتا

تو نماز پڑھانا اسی کا کام ہوتا تھا۔ اسی طرح مرکز میں خلیفہ خود نماز پڑھانا اور خطبہ دیتا تھا۔ جس فوجی نعم کا یہاں ذکر کیا گیا ہے اس کے کمانڈر کا یہ معمول تھا کہ وہ نماز میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ اخلاص لازماً پڑھتا تھا۔ جب یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں لائی گئی اور آپ کی ہدایت کے مطابق اس شخص سے دریافت کرنے پر اس کی وجہ معلوم ہوئی تو حضور نے اسے بشارت دی کہجب تم کو یہ سورت اس بنا پر محبوب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا وصف بہترین طریقے سے بیان ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی تھمیں محبوب رکھتا ہے۔

گردشہ حدیث میں یہ بتایا گیا تھا کہ قلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو سورہ اخلاص پسند کرنے کے بنا پر اللہ تعالیٰ کا محبوب ہونے کی خوشخبری دی۔ دنیا کی کسی کتاب میں توحید کو اتنے مختصر الفاظ اور ایسے جامع انداز میں بیان نہیں کیا گیا ہے کہ اس سے دنیا میں پائی جانے والی تمام گمراہیوں کی جڑ ایک ساختہ کٹ جاتی ہے۔ تمام کتب آسمانی جو تھوڑی بہت اس وقت دنیا میں پائی جاتی ہیں وہ اس مضمون سے خالی ہیں۔ اسی بنا پر جو لوگ اس چیز کو سمجھتے تھے اور اس کی روح کر جانتے تھے وہ اس سورت سے بڑی محبت رکھتے تھے

خود اس سورت کا نام — سورہ اخلاص — ہے

اس حقیقت کی ترجمانی نکالتا ہے کہ یہ وہ سورت ہے جو خالص توحید کا سبق دیتی ہے، ایسی توحید کہ جس کے ساتھ شرک کا شانتہ کم باقی نہیں رہتا۔ اس یہے جو شخص اس بنا پر اسے محبوب رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا بھی محبوب ہے۔

۲۱۔ سورہ اخلاص سے محبت جنت میں داخلے کا سبب تھے

عَرَبٌ أَنَّهُ قَالَ إِنَّ رَجُلًا قَالَ يَا آدَ مَسْؤُلُ اللَّهِ

إِنِّي أَحِبُّ هَذِهِ السُّورَةَ، قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ، قَالَ
إِنَّ مُحَبَّكَ إِيَّاهَا أَدْخِلْنَاهَا جَنَّةً.

(رَفَعَهُ التَّقْوِيدِيُّ فَدَوَّهُ الْجَنَّارِيُّ مَعْنَاهُ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا : یا رسول اللہ ، مجھے یہ سورت — سورۃ اخلاص — بڑی محبوب ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا : اس سورت کے لیے تیری محبت نے تجھے جنت میں داخل کر دیا۔ (ترمذی ، بنباری)

معلوم ہوا کہ اس سورت کا محبوب ہونا ایک فیصلہ کن چیز ہے۔ ایک شخص کے جنت میں جاتے کافی سلسلہ اس بات سے ہو گیا کہ اسے یہ سورت محبوب تھی — لیکن اس سورت کا محبوب ہونا بغیر اس کے نمکن نہیں ہے کہ آدمی کا دل ہر شام بڑے شرک سے بالکل پاک ہو اور خالص توحید اس کے دل میں گھر کر گئی ہو۔ — خالص توحید کا دل میں آزننا ہی جنت کی کنجی ہے۔ اگر توحید میں نقص ہو تو جنت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ آدمی کی زندگی میں دوسری خامیاں اور نعماتیں ہوں تو اشد تعالیٰ معاف کر دے گا لیکن توحید میں خلل ناقابل تلافی ہے۔ اول تو خالص توحید اگر کسی کے دل میں بینظہ جاتے تو اس کے اندر باقی خامیاں اور نعماتیں بہت ہی کم رہ جائیں گے لیکن اگر رہ بھی جائیں تو اسے توبہ کی ترقیت فیضیب ہو جاتے گی۔ اور اگر بالفرض اسے توبہ کی توفیق بھی فیضیب نہ ہوئی اور وہ توبہ کرنا بھول گیا تو پھر بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی مغفرت ہو جاتے گی کیونکہ خالص توحید وہ اصل حقیقت ہے جس پر انسان کے خدا کا وفادار ہونے نہ ہونے کا انحصار ہے۔ جو آدمی

خلاصہ ملجمید کو مانتا ہے وہ خدا کے وفاداروں میں شامل ہے اور خدا کا معاشرہ اپنے وفاداروں کے ساتھ وہ نہیں جو بے وفاوں اور خدا کے ساتھ ہوتا ہے — اسی یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کہ اس سورت کو محبوب رکھتے نے تیرے جنت میں داخل ہونے کا فضلہ کرو یا۔

۲۲۔ مُعْوِظَةٍ — دُوَبَّ لِنَظِيرٍ سُورَتِيْمِ

عَنْ عُقَيْبَةَ بْنِ عَاصِمٍ قَالَ دَسْوُلُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَكْثَرُ آيَاتِ أُنزَلَاتِ اللَّيْلَةِ
لَهُرُبُّ مِثْلُهُنَّ قُطُّ ، قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ، وَ
قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ (ذِيَّا مُسْلِمٌ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مجھ سے فرمایا : تم نے دیکھا آج رات ایسی آیات اُتری ہیں کہ کبھی ان کی نظر نہیں پائی گئی اور وہ یہیں : قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ (یعنی سورۃ الفلق) اور قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ (یعنی سورۃ الناس) (مسلم)

یہاں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے متعلق حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بے مثال سورتیں ہیں کبھی ان کی نظر نہیں پائی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی کتب آسمانی سورۃ اخلاص کی طرح اس مضمون سے بھی خالی ہیں جو ان سورتوں میں استثنے محصر اور جامع الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ دوسری بات جس کی بنا پر یہ سورتیں اہمیت رکھتی ہیں وہ یہ ہے کہ اگر ان دونوں سورتوں کے مضمون کو اچھی طرح سے سمجھ لیا

جاتے تو یہ انسان کو ہر قسم کے اندیشوں اور خرخشوں سے نجات دلادیتی ہاں اور ایک آدمی حق کے راستے پر پڑے امیناں اور یقینیں کے ساتھ چل سکتا ہے — پہلی سورت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ یہ بات کہہ دو کہ میں پناہ مانگتا ہوں اُس رب کی جو صبح کو نکالنے والا ہے، اُن تمام چیزوں کے شر سے جو اُس نے پیدا کی ہیں، اور ان تمام خطرات سے جورات کو بیش آتے ہیں اور ان تمام لوگوں کے شر سے جو طرح طرح کے جادو ٹوٹنے اور اس طرح کے دوسراۓ افعال کرنے والے میں —

دوسری سورت میں یہ فرمایا گیا کہ کہہ دو کہ میں نے پناہ لی اسیستی کی جو رَبُّ النَّاسِ ہے، اور مَلِكُ النَّاسِ ہے، تمام انسانوں اور شیاطین کے شر سے، وجود ملوک میں وسو سے ڈالتے ہیں۔

اگر ایک آدمی آنحضرت پیغمبر ﷺ کے الفاظ اپنی زبان سے ادا کرتا ہے اور پھر ان تمام فتنوں اور شرور سے ڈرتا بھی رہتا ہے جن سے اس نے پناہ لی ہے تو زبان سے اس کا یہ الشاظِ کمال النابِ صنی ہے۔ اگر وہ اخلاص سے اور سوچ سمجھ کر یہ بات کہتا ہے تو پھر اسے اس بات سے بے فکر ہو جانا چاہیئے کہ کوئی اس کا سمجھ بکار سکتا ہے کیونکہ جب اُس نے اُس خدا کی پناہ لے لی ہے۔ جو ساری کائنات کا مالک ہے تو تمام انسانوں کا بھی مالک ہے، اور اس بات کا اعلان کرو یا ہے کہ اب مجھے کسی کے شر سے کوئی خطرہ نہیں ہے تو پھر اس کے بعد ڈرنے کے کوئی معنی باقی نہیں رہتے۔ آدمی پناہ تو اُسی کی دیکھتا ہے جس کے بارے میں اُسے یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اسے پناہ دینے کی قدرت رکھتا ہے۔

اگر کوئی پناہ دینے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو اس کے پاس پناہ دینے والا کوئی بیوی قوت ہی ہو سکتا ہے۔ ایک آدمی کسی کی پناہ اس دوسرے لیقین کی بنابریت ہے کہ ایک قروہ اُسے پناہ دینے کی قدرت رکھتا ہے اور دوسرے جن کے شرے وہ بھاگ کر اس کے دامن میں پناہ لے رہا ہے ان سب کی قوت اس کے مقابلے میں پیچ ہے۔ جب تک اسے ان روپاتوں کا لیقین نہ ہو وہ اس کی پناہ نہیں لے سکتا۔ اور اگر اس لیقین کے ساتھ وہ اس کی پناہ لیتا ہے تو پھر کسی چیز کا خطرہ یا خوف محسوس کرنے کو کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اگر ایک آدمی اللہ تعالیٰ کی الہی قدرت اور عظمت کا لیقین لے کر اس کے راستے میں کام کرنے کے لیے کھڑا ہو تو پھر وہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے گا۔ دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہ ہو گی جس کے مقابلے میں اس کو کوئی خطرہ محسوس ہو یا وہ کسی خوف میں بستلا ہو۔ وہ بالکل بے نکر ہو کر اللہ کے راستے میں کام کرے گا اور دنیا کی تمام طاقتوں کے ساتھ ٹکڑا جاتے گا۔

قرآن کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے مقابلے میں اپنے بھائی کے ساتھ ایک لاحمی یا ہوتے پیش گئے۔ آخر اتنی بڑی طاقت کے مقابلے میں صرف دو آدمی کیے ڈٹ گئے ۔۔۔ صرف اس یہے کہ انہیں اللہ کی پناہ کا لیقین تھا۔ جب اللہ کی پناہ لے لی تو پھر اس کے بعد دنیا کی بڑی طاقت سے ٹکر لی جا سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرنے کے لیے ساری دنیا کے مقابلے میں کیے کھڑے ہو گئے ہے صرف اس بنابر کہ آپ کو اللہ پر بھروسہ لیقین اور یہ لیقین تھا کہ میری پُشت پر خدا کی طاقت ہے جو ساری کائنات اور ساری طاقتوں کا ماکا ہے۔ اس طرح درستیقت خدا کی پناہ کا لیقین اور بھروسہ وہ پیغز ہے

جس کی ضرورت سب سے زیادہ الی لوگوں کو ہے جو خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لیے کھڑے ہوں، جو خدا کا کلمہ بلند کرنے کے لیے تمام طاقتوں کے مقابلے میں ڈٹ جانے کا ہم رکھتے ہوں، بغیر اس کے کہ ان کے پاس کوئی ذرائع، کوئی لاڈ شکر اور کوئی ساز و سامان ہو۔ انسان یہ جرأۃ اسی صورت میں کر سکتا ہے جب کہ اسے خدا کی پناہ کا یقین کامل ہو۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نظری کلام ہے جو ان دونوں سورتوں میں آیا ہے کیونکہ اس میں ہر طرح کے فتنوں اور باطل قولوں کے مقابلے میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی پناہ یعنی کی تعلیم دی گئی ہے اور اس کے نتیجے میں ایک مومن کے اندر اس کی پناہ کا یقین پیدا ہوتا ہے۔

۲۳۔ قرآن کے الفاظ میں بھی برکت ہے

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَدْعَى إِلَى فِرَاشِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ جَمَّهُ كَفِيلَهُ ثُمَّ نَفَثَ فِيْهِمَا فَقَرَأَ فِيهِمَا، قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا مَا أُسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِمْ فَيَنْدِبُهُمَا عَلَى رَأْسِهِ وَوَجْهِهِ وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ يَفْعَلُ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ۔ (مشقق علیہ)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ شیخ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طریقہ تھا کہ جب آپ رات کو سونے کے لیے اپنے بستر پر بیٹھتے تو یہ نہ سے پہلے اپنی دونوں ہاتھیلوں کو آپس میں

ملکران میں سورہ اخلاص، سورہ فلق اور سورہ ناس پر بڑھ کر پھونکتے تھے۔ پھر آپ اپنی تحقیقیں کو اپنے پورے جسم پر، جہاں تک آپ کا ہاتھ پہنچا تھا پھیرتے تھے۔ پہلے سہریدار پھر جسم کے الگ سستے پر ————— ایسا آپ یعنی مرتبہ کیا کرتے تھے۔ (متفق علی)

کلامِ الہی اپنے الفاظ میں، اپنی آواز میں، اور اپنے معنوں میں، سمجھی طرح برکت رکھتا ہے۔ یہ سراسر برکت ہی برکت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح سے کلامِ الہی کو سمجھتے اور اس کے مطابق عمل فراتے تھے اور اس کے نشان کے مطابق دنیا میں اللہ کا کلمہ بند کرنے کے لیے جدوجہد فراتے تھے، اسی طرح سے آپ اس کلام کی باقی تمام برکتوں سے بھی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے تھے۔ مثلاً قرآن پر بڑھ کر پانی پر پھونکنا اور خود پینا یا کسی کو پلاو دینا، یا اس کو ہاتھوں پر پھونکنا اور جسم پر ملننا۔ ان طریقوں سے قرآن کی برکت کا کوئی ظاہری اور باطنی مہلو آپ نہیں پھوڑتے تھے۔ ————— آج بھی اگر کوئی شخص یہ عمل کرے تو صحیح اور اپنیدیدہ ہے اور باعث برکت بے یکسی یہ بات غرضدار ہے کہ اس برکت کا فائدہ حقیقت میں وہی شخص اٹھا سکتا ہے جو قرآن کے ظاہر کے ساتھ اس کے باطن سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ اگر ایک آدمی قرآن کے نشان کے خلاف زندگی گزار دیا ہو اور چھر ٹل آعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور ٹلن آعُوذُ بِإِنَّ النَّاسِ پر بڑھ کر اپنے اوپر پھونک دیجی رہا ہو تو سوال یہ ہے کہ وہ آخر کس شر سے خدا کی پناہ مانگ رہا ہے۔ شر تو اس تے اپنے اندر بھر رکھا ہے کیا وہ اس شر سے پناہ مانگ رہا ہے کہ جو شرمت خوری وہ کر کے آیا ہے اس پر پولیس اُسے نہ پکڑے۔ اس یہی یہ بات اپنی طرح سمجھ لیتی چاہیتے کہ قرآن کی یہ برکتیں صرف اُنھی لوگوں کے لیے ہیں جو فی الواقع قرآن کے نشان کے مطابق کام کر رہے

ہوں۔ اس کے بعد قرآن کے الفاظ کی برکت بھی انہیں حاصل ہوگی۔ یہیں جو لوگ قرآن کے الفاظ و مفہومیں سے رات دن لڑکے ہوں اور اپنے قول و فعل سے اس کے معانی کی نفعی کر رہے ہوں ان کے لیے یہ برکتیں نہیں ہو سکتیں۔

الفصلُ الثانِي

۲۳۔ قیامت کے روز کی تین فیصلوں پر چیزیں۔ قرآن، امانت، قربتداری

عَرَبٌ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنُ حَوْفٍ عَنِ التَّمِيمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِنَّمَا تَحْتَ الْعَرْشِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ الْقُرْآنُ يُحَاجِجُ الْعِبَادَ — لَهُ ظَهَرٌ وَبَطَنٌ وَالْأَمَانَةُ وَالرِّحْمُ ثَنَادِيُّ ، الْأَمْنُ وَصَلَبِيَّ وَصَبَلَهُ أَهْلُهُ وَمَنْ قَطَعَنِي قَطَعَهُ أَهْلُهُ .

(شرح السنۃ للبغی)

حضرت عبد الرحمن بن حوف رضي الله عنه رسول الله صلى الله عليه وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ تین چیزیں قیامت کے روز عرش کے لیے ہوں گی۔ ایک چیز قرآن ہے جو بندوں کے حق میں یا ان کے خلاف مقدس لڑکے والا ہو گا۔ اس کا ایک ظاہر ہے اور
ایک باطن۔ دوسری چیز امانت ہے اور تیسرا
چیز رحمہ یعنی قربت داری ہے۔ رحم پکار رہا ہو گا کہ جس نے صدور رحمی کی اسٹا اس کو جوڑے گا اور جس نے قطیع رحمی کی اسٹا اس کو کاٹے گا۔ (شرح السنۃ)

قیامت کے روز قرآن مجید، امانت اور رشتہ داری کے عرش کے نیچے ہونے کا یہ مطلوب نہیں ہے کہ یہ چیزیں دہان انسانی شکل میں کھڑی ہوں گی، بلکہ اس کا مطلوب یہ ہے کہ یہ وہ اہم چیزیں ہیں جو قیامت کے روز انسان کے مقدار کا فیصلہ کرنے کے لیے سائنس موجود ہوں گی۔ اس چیز کو اس تفہیلی رنگ میں پیش کیا گیا کہ یہی کسی بڑے بادشاہ کے حضور میں اس کے تین بڑے مغرب کھڑے ہوئے یہ بتا رہے ہوں کہ کون آدمی کیسا ہے اور کس سلوک کا مستحق ہے۔ اس طرح گویا اس بات کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ قیامت کے روز انسانوں کا فیصلہ کرنے میں سب سے پہلے جو چیز سائنس آتے گی وہ قرآن ہے۔ قرآن کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ یُحاجُّ الْعِبَادُ۔ اس کے دو معنی ہیں۔ ایک معنی یہ ہیں کہ قرآن بندوں کے خلاف مقدمہ لڑائے کا اور دوسرا معنی یہ ہیں کہ وہ بندوں کے حق میں مقدمہ لڑائے گا۔

یہ دو معنوں ہے جو اس سے پہلے ایک حدیث میں گزر چکا ہے کہ **الْقُرْآنُ حُجَّةٌ لِكُلِّ أُوْعَدِنَا** (قرآن یا تو یہ سے حق میں جنت ہے یا تو یہ خلاف)۔ قرآن کے آجال نے کے بعد اب معاملہ دو جاتوں سے خالی نہیں ہو سکتا۔ اب یا تو وہ تمہارے حق میں جنت ہے اگر تم نے اس کے مطابق کام کیا ہے مگر یا تو وہ خلاف جنت ہے اگر تم نے اس کے خلاف کام کیا ہے۔ چنانچہ قیامت کے روز یہ قرآن بندے کے حق میں یا اس کے خلاف مقدمہ لڑائے والا ہو گا۔ ایک آدمی جب خدا کے حضور پیش ہو گا تو اسوق اگر اس بات کا ثبوت ملا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی شکل میں اپنا بجز فرمان اس کے پاس بھیجا تھا اس نے اس کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کی ہے تو قرآن ہی اس کے حق میں جنت پیش کرے گا اور اللہ تعالیٰ سے یہ عرض

کرے گا کہ آپ کا بندہ آپ کے فرائیں کے مطابق دنیا میں کام کر کے آیا ہے اس سے اسے یہ اجر اور جزا عطا کی جاتے میکن اگر وہ شخص قرآن پرچھ جانے کے باوجود اس کے خلاف کام کرتا رہا تو پھر قرآن ہبھی اس کے خلاف مقدمہ لڑنے والا ہو گا۔

چھر فرمایا کہ اس قرآن کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن۔ مطلب یہ ہے کہ ایک چیز قرآن کے صفات الفاظ میں جو وہ شخص پڑھ سکتا ہے، اور ایک چیز ان الفاظ کے معانی اور ان کا مدد ہے۔ قیامت کے روز قرآن کے الفاظ بھی جھٹت ہوں گے اور اس کے معانی بھی۔ قرآن میں اگر صفات الفاظ میں ایک حکم بیان کرو یا گیا ہے کہ فلاں فعل منوع ہے اور کسی شخص نے اس منوع فعل کا اتنکا ب کیا تو اس سورت میں قرآن کے الفاظ اس کے خلاف جھٹت ہوں گے۔

اسی طرح قرآن مجید کے الفاظ کے اندر وہ مطالب یہ ہیں جن کے معلوم ہو ہے کہ قرآن انسان میں کس قسم کے اخلاق کو انجام دا چاہتا ہے اور کس قسم کے اخلاق کو دبا چاہتا ہے۔ کوئی سی جیز اہل کو پسند ہے اور کوئی سی ناپسند۔ اس طرح پورا قرآن یہ نقشہ پیش کرتا ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ طرز زندگی کیا ہے اور کیا نہیں۔ اب اگر کسی شخص نے اس کے خلاف طرز زندگی اختیار کر دیا ہے تو پورے قرآن کی رو رج اور اس کے معانی اس شخص کے خلاف ہوں گے۔

● دوسری چیز جو عرض کے پیچے بندوں کے خلاف مقدمے کا فیصلہ کرنے میں قرآن کے بعد اہم ترین ہو گی وہ امانت ہے۔ امانت کے محدود معنی یہاں مراو نہیں ہیں۔ امانت کا عام مفہوم لوگوں کے ذہن

میں یہ ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے پاس روپیہ یا زیور یا کوئی اور چیز کچھ وقت کے لیے اس اعتماد پر رکھ کر حسب طلب اس کو واپس مل جاتے گی تو یہ امانت ہے۔ لیکن امانت کا یہ تصور بہت محدود ہے۔ امانت کے معنی دراصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے سپر و اپنا کوئی حق اس اعتماد پر رکھے تو وہ اس کے حق کو مارے گا نہیں تو یہ چیز امانت ہے۔ اگر کوئی شخص اس امانت میں خیانت کرتا ہے تو قیامت کے روز امانت اس کے خلاف گواہی دے گی۔

آب دیکھئے، ہمارے پاس سب سے پہلی امانت کیا ہے؟ ہمارے پاس سب سے پہلی امانت ہمارا یہ جسم ہے جو ہمارے خدا نے ہمیں عطا کیا ہے۔ اس سے زیادہ قیمتی چیز دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ پورا جسم تو ورنکار اس کی کسی ایک قوت سے زیادہ قیمتی کوئی چیز نہیں ہے۔ اسی طرح خدا کی یہ زندگی ہے۔ اس پر جو اختیارات ہم میں سے ہر شخص کو حاصل ہیں، کسی کو زیادہ اور کسی کو کم، یہ سب امانت ہیں۔ اس کے بعد آپ دیکھئے کہ انسانی تعلقات میں ہر طرف امانتیں ہی امانتیں ہیں۔ انسانی تعلقات کا آغاز نکاح سے ہوتا ہے اور اس طرح پورے انسانی تمدن کی بنیاد ایک عورت اور ایک مرد کے اندوامی تعلق پر ہے کیونکہ اسی سے انسانی معاشرہ جنم لیتا ہے۔ یہ سب کی سب امانت ہے۔ عورت اپنی زندگی ایک مرد کے سپر و اس اعتماد پر رکھی ہے کہ وہ ایک شریف آدمی ہے اور اس کے ساتھ اپنے طریقے سے نباہ کرے گا۔ ایک مرد ایک عورت کی ذمہ داری ساری عمر کے لیے اس اعتماد پر قبول کرتا ہے کہ وہ ایک شریف عورت ہے اور زندگی کے ہر شریب و فراز میں وہ اس کا ساتھ دے گی۔ اس نے اپنا مال، عزت، آبرو، عرض جو چیز اس

کے حوالے کی ہے وہ اس میں خیانت نہیں کرے گی — اسی طرح اولاد کا وجود بھی سراسراً اعتماد پر مبنی ہے۔ اولاد اپنے والدین پر یہ اعتماد کرتی ہے کہ وہ ہمارے حق میں بھلا کی گریں گے اور جان بوجو بھکر ہمارے ساتھ کوئی برائی نہیں کریں گے۔ اولاد کی فطرت میں یہ اعتماد پایا جاتا ہے، قطع نظر اس سے کہ الفاظ میں اس کا انظہار ہو رہا ہے جو۔ ایک چھوٹا بچہ جو بھی پیدا ہوا ہے وہ اپنی فطرت میں ایک اعتماد لے کر پیدا ہوتا ہے کہ گریا اس کے والدین کے درمیان ایک غیر تحریری معاملہ اس کی پیدائش کے ساتھ ہی موجود ہیں آجاتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اپنی بیٹی کو کسی کے نکاح میں دیتا ہے وہ اس کی شرافت پر اعتماد کر کے دیتا ہے۔ ایک آدمی اگر کسی کی بیٹی کو بیوی کر لاتا ہے تو وہ اس کے خاندان کی شرافت پر اعتماد کر کے بیوہ کر لاتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ رشتہ داروں کا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر اعتماد کرتے ہیں۔ ہر ہمسایہ اپنے ہمساتے پر یہ اعتماد کرنے پر مجبور ہے کہ اس کی جان و مال اور عزت و آبر و اس کے ہاتھوں محفوظ ہے۔ اسی طرح آپ اپنی پوری زندگی میں یہ دیکھیں گے کہ تمام انسانی تعلقات اس امانت داری اور اعتماد پر مبنی ہیں کہ اگر ایک آدمی کے ساتھ کوئی معاملہ کیا جا رہا ہے تو وہ معاملہ کرنے والے کے کسی حق میں خیانت نہیں کرے گا — کسی ملک کا پورا نظام حکومت ایک امانت ہی تو ہے۔ پوری قوم اپنی امانتیں حکومت کے حوالے کر دیتی ہے۔ وہ اپنا مستقبل، اور اپنے تمام ذرائع وسائل اس کے حوالے کرتی ہے۔ حکومت کے جتنے ملازمیں ہیں ان کے سپرد امانتیں ہی تو کی گئی ہیں۔ اسمبلیوں کے ارکان کو پوری قوم اپنی امانت ہی تو سونپتی ہے — لاکھوں آدمیوں پر مشتمل ملک کی یہ فوج جسے

قومِ منظم کر کے خود اپنے ملک میں رکھتی ہے اور حرمی اہمیت کے مقامات پر لا کر سمجھاتی ہے، اسے اپنے غرچ سے ہتھیار فراہم کر کے دیتی ہے اور اپنی آمنزوں کا ایک حصہ کا طور کر ان کی تنخوا ہوں کا انتظام کرتی ہے، اس اعتماد پر بھی تو بناتی اور رکھی جاتی ہے کہ وہ ملک کی حفاظت کا فرضیہ انجام دے گی اور جو داری اس کے پر دکی گئی ہے اس میں خیانت نہیں کرے گی — اب اگر ان ساری امامتوں میں ہر طرف خیانت ہونے لگے تو انسانی تہذیب و تتمدن کا خاتمه ہو جاتے۔ اسی بنا پر یہ امانت وہ عظیم اشان چیز ہے جو قیامت کے روز انسان کے خلاف یا اس کے حق میں مقدمہ لڑنے کے لیے موجود ہوگی۔ جس نے جتنی زیادہ خیانتیں کی ہوں گی وہ دباؤ اتنا ہی بڑا مجرم شمار ہو گا اور جس نے ان امامتوں کا جتنا زیادہ حق ادا کیا ہو گا وہ اتنا ہی زیادہ خدا کے انعام کا مستحق ٹھہرے گا۔

• تیسرا چیز جو قیامت کے روز غیر معمولی اہمیت کی حامل ہو گی وہ رحم تعمیر ہوئی ہے۔ انسانی تمدن کا آغاز ہی اس طرح ہوا ہے کہ ایک انسان کی اولاد اور پھر اس کے بعد اس کے دوسرا رشتہ دار جب جمع ہوتے ہیں تو ایک خاندان یا قبیلہ بنتا ہے اور جب بہت خاندان اور قبیلے جمع ہوتے ہیں تب ایک قوم بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں عملہ رحمی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور قطیع رحمی کو انسانی تہذیب و تمدن کی جڑ کا طنے والی چیز قرار دیا گیا ہے۔ اسی یہے فرمایا کہ رحم یعنی خوبی رشتہ داری وہ تیسرا چیز ہے جس پر قیامت کے روز انسانوں کا فیصلہ ہو گا۔ اس روز رحم پھاڑ کر کے گا کہ جس نے مجھے جوڑا اندھا سے جوڑے گا اور جس نے مجھے

کاملاً اللہ اسے کاٹے گا۔ جب ایک آدمی اپنے رشته داروں کے مقابلے میں پے رجم ہوا اور ان کے ساتھ سرو ہمراہ پرستنے والا ہو تو پھر وہ دنیا میں کسی کا دوست نہیں بن سکتا۔ اس کے بعد اگر وہ کسی کا دوست بنتا ہے تو محض اغراض اور مفاد کے لیے دوست بنتا ہے۔ اس کا مفاد جہاں تک اس کا ساتھ دیتا ہے وہاں تک وہ دوست چوتا ہے اور جہاں اس کے مفاد پر زد پڑتی ہے وہیں وہ اپنے دوست کے ساتھ خداری کرتا ہے۔ یہ عین فطری بات ہے کہ جو اپنے بھائی کا نہ ہو وہ کسی اور کا کیا ہو گا۔ اسی بنابر قرآن مجید میں صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور اس حیران کا ذکر بیان ان الفاظ میں کیا گیا ہے:-

۲۵۔ صاحب قرآن کا درجہ

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو أَقَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ إِقْرَأْ وَأَرْتِقْ وَرَتِلْ كَمَا كُنْتَ شَرِقْتَ فِي الدُّنْيَا مَنْزِلُكَ عِنْدَ أَخِيرِ أَيَّةٍ تَقْرَئُهَا۔
(رواہ احمد و الترمذی و ابوداؤ و الدارقطنی)

حضرت عبد اللہ بن عمر بن عاصی رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص دنیا میں قرآن سے شفف رکھتا تھا ۱۰ قاتمیت کے روز) اس سے کہا جاتے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور بلندی کی طرف حرکتا جا، اور اسی رفتار سے شہرِ مکہ کو پڑھ جس طریقہ میں مکہ پڑھ کر پڑھتا تھا۔ تیرتی منزل وہ آخری آیت ہو گی

بھاں تک تو پڑھتا جاتے گا۔ (احمد۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ نافع) صاحبِ قرآن سے مراد وہ شخص ہے جو قرآن سے شغف رکھنے کی بنا پر ممتاز ہو۔ بیسے صاحبِ الحدیث ہم اُسے کہتے ہیں جو حدیث سے زیادہ شغف رکھنے والا ہو۔ گویا کسی خاص چیز کا صاحب وہ شخص ہوتا ہے جو اس چیز کے ساتھ خاص نسبت، تعلق اور شغف رکھتا ہو۔ چنانچہ صاحبِ قرآن وہ شخص ہے جو دنیا میں قرآن سے زیادہ شغف رکھتا تھا اور قرآن کے پڑھنے، سمجھنے اور غور کرنے میں زیادہ مشغول رہتا تھا۔ قیامت کے روز اس سے یہ کہا جاتے گا کہ قرآن پڑھتا جا اور بلند درجات کی طرف ترقی کرتا چلا جا۔ تیری منزل وہ ہے جہاں تو جا کر آخر کار مٹھرے گا۔ یعنی جس مقام پر تو قرآن کی آخری آیت پڑھے گا وہ مقام تیرے یہی ہے جسے قیام کرنے کا ہو گا۔ اس یہی فرمایا کہ جیسے مٹھر مٹھر کرو آہستہ آہستہ تو دنیا میں پڑھتا تھا۔ اسی طرح سے مٹھر مٹھر کر پڑھتا کہ تو نبادہ اونچی منزل پر پہنچ جاتے۔

۲۶- جس سینے میں قرآن نہیں وہ ایک ویرانہ ہے

عَنْ أَبْنَى عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ الَّذِي لَيْسَ فِي جَوْفِهِ شَيْءٌ إِلَّا فِي الْقُرْآنِ كَالْبَيْتِ الْخَرِيبِ - (رَوَاهُ التَّقِيُّمِيُّ وَالْذَّارِمِيُّ)

حضرت عبد اللہ بن عباس (رضی اللہ عنہما) کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے سینے میں قرآن نہیں ہے اُسکی شوال اُجر طے ہوئے گھر کی سی ہے۔ (ترمذی۔ دارالمری)

اگر کسی کا سینہ قرآن سے خالی ہے تو وہ ایک ایسا دریان گھر ہے جہیں بننے والا

کوئی نہیں ہے۔ اس سینے میں کوئی چیز ایسی موجود نہیں ہے جس کی بنا پر اسے ایک صاحبِ ضمیر اور ذی شعور انسان کا سینہ کہا جاسکے۔

۲۔ اللہ کا کلام دوسرے کلاموں سے اُسی طرح افضل ہے جس طرح خود اللہ تعالیٰ،

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالَى أَصْرَفَ شَغَلَةَ الْقُرْآنِ عَنْ ذِكْرِي مَسَاكِتِي أَعْطَيْشَهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطَى السَّائِلِينَ، وَفَضْلُ كَلَامِ اللَّهِ تَعَالَى عَلَى سَائِرِ الْكَلَامِ كَفَضْلِ اللَّهِ عَلَى خَلْقِهِ۔

(درودۃ الترمذی و القاری و البیهقی)

حضرت ابو سید خدروی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کو قرآن مجید (کے مطالعہ) نہ سیراذ کرنے اور مجھ سے دعا منگھنے سے روک لے گا یہ ہوں اُس کو وہ افضل ترین چیز دوں گا جو دعا منگھے والوں کو دیتا ہوں — اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ کے کلام کی فضیلت باقی تمام کلاموں پر ایسی پہنچیں کہ اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر ہے۔ (ترمذی۔ دائی۔ بیہقی)

مطلوب یہ ہے کہ جو شخص قرآن مجید پڑھتے میں اس طرح مشغول رہا کہ اُسے اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے دوسرے اذکار و اوراد (مثلًا سُبْحَانَ اللَّهِ، أَلْحَمْدُ لِلَّهِ وَغَيْرِهِ) پڑھنے کی فرصت نہیں ملی، یہاں تک کہ دعا منگھنے کا بھی وقت نہیں ملا تو اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ جو بڑی سے بڑی چیز وہ دعا منگھنے

ولے کو دیتا ہے وہ اس شخص کو اس کے دعائیں نگے بغیر صرف قرآن پڑھنے کی برکت سے عطا کرے گا۔

یہ حدیث قدسی ہے۔ حدیث قدسی وہ ہوتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان کیا ہو کہ اللہ تعالیٰ ایسا فرماتا ہے ————— حدیث قدسی اور قرآن میں فرق یہ ہے کہ قرآن کے الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہیں اور اس کے معنای میں بھی۔ ان کے نازل ہونے کے بعد ان کو کتاب اللہ کا جائز بنا لیا جاتا تھا۔ چنانچہ سبہ میں علیہ السلام جب قرآن لاتے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بتاویت تھے کہ یہ قرآن کی آیت ہے۔ اور اس کا محل فلاں آیت سے پہلے اور فلاں کے بعد ہے۔ اس کے برعکس حدیث قدسی میں الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہیں لیکن معنی وہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے دل پر القاء کیے ہوں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ حدیث قدسی میں الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں لیکن ان کو قرآن کا جائز بنا نہیں تو وہ نہیں ہوتا۔ مثلًا اللہ تعالیٰ نے متعدد دعائیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھائی ہیں۔ نماز میں جو اذکار پڑھے جاتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کے سکھاتے ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب اس غرض کے لیے نہیں تھے کہ انھیں قرآن کا جائز بنایا جاتے۔ البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہی الفاظ میں کوئی مضمون آتا تھا تو واضح طور پر یہ بتادیا جاتا تھا کہ یہ قرآن میں شامل کرنے کے لیے نازل کیا گیا ہے۔

یہ حدیث قدسی اُسطح الشائلين پر ختم ہو جاتی ہے۔ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود فرماتے ہیں کہ اللہ کے کلام کی فضیلت تمام کلاموں پر وہی ہی ہے جیسی خود اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر ہے۔ جب یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے

تو یہ مخلوق کے کلام سے اتنا ہی افضل ہے جتنا اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے افضل ہے۔ اور پر کے قول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا اضافہ اس لیے فرمایا کہ قرآن کے ماسوا مختلف افراد اور اراد کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا بھجوئی ذکر کیا جاتا ہے۔ اس کا واسطہ انسانی کلام ہے خدا کا کلام نہیں ہے۔ اور انسانی کلام تواہ کتنا ہی افضل اور اعلیٰ ہو وہ اللہ کے کلام کے مقابلے میں تو فروت رہی ہو گا۔ اللہ کے کلام کو اس پر فسی برتری حاصل ہے جو اس کو اپنی مخلوق پر ہے اس لیے جتنا وقت بھی تم نے اللہ کے کلام کو پڑھنے میں صرف کیا وہ پڑھنے کی قسم کام میں صرف ہوا۔ کوئی وظیفہ پڑھتے یاد ہماں نہ کرتے تو اپنا وقت لکھ دو جس کے کام میں صرف کرتے۔ اس طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ واضح فرمادیا کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے یاد ہماں نہ کرنے کے بجائے اپنا وقت قرآن ہی پڑھنے میں صرف کر رہا ہو تو اس وہ سب کچھ کیوں ملتا ہے جو وہ ہماں نہ کرنے والوں کو ملتا ہے۔

۲۱۔ قرآن کے ہر حرف کے بدلتے میں دس نیکیاں ہیں

عَرَّابُ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ وَالْعَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا ، لَا أَقُولُ الْحَرْفَ - الْأَلْفَ حَرْفٌ وَلَا مُ حَرْفٌ وَمِيمٌ حَرْفٌ - (درودۃ الداریہ)

حضرت عبد اللہ بن حمود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جو شخص کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھتا ہے اس کے بدلتے میں اس کی ایک نیکی شمار ہوتی ہے۔ اور

(قرآن میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ) ہر نیکی کے بدے میں وہ گناہ
اُبھر جائے ۔ ۔ ۔ میں یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ اللہ ایک عرف
ہے۔ نہیں، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک عرف ہے اور
میم ایک حرف ہے۔ (ترمذیؓ۔ دار میمؓ)

۲۹۔ قرآن ہر زمانے کے فتنوں سے بچانے والا ہے

عَرِيْتَ الْحَارِثَ الْأَعْوَرِ قَالَ هَرَبْتُ فِي الْمَجَدِ
فَإِذَا النَّاسُ يَخْلُصُونَ فِي الْأَحَادِيثِ فَدَخَلْتُ
عَلَى عَلِيٍّ فَأَنْبَرْتُهُ فَقَالَ أَوْ فَعَلُواْ هَآئُكُلُتُ نَعَمْ۔
قَالَ أَمَّا إِنْ سَمِعْتَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ يَقُولُ : الَّذِينَ هُمْ فِي تَنَاهٍ، قَلْتُ
مَا الْمَخْرَجُ مِنْهَا يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ كِتَابُ اللَّهِ
قِيهِ نَبَأُ مَا قَبْلَكُمْ وَخَبْرُ مَا بَعْدَكُمْ وَحُكْمُ مَا
بَيْنَكُمْ، هُوَ الْفَضْلُ لِيُسَارِبُ الْهَرْزِلِ، مَنْ تَرَكَهُ مِنْ
يَجْبَارٍ قَصَمَهُ اللَّهُ وَمَنْ ابْتَغَى الْهُدَى فِي غَيْرِهِ
أَضْلَلَهُ اللَّهُ، وَهُوَ حَبْلُ اللَّهِ الْمَتِينُ وَهُوَ الذِّكْرُ
الْحَكِيلُ وَهُوَ الصِّرَاطُ الْمُسْتَقِيمُ، هُوَ الَّذِي
لَا تَرِيدُ لِيَهُ الْأَهْوَاءُ وَلَا تَلْتَدِسُ بِهِ الْأَلْسَنَةُ
وَلَا يَشْبَعُ مِنْهُ الْعُلَمَاءُ وَلَا يَحْلُقُ عَنْ كَثْرَةِ
الرَّدَّ وَلَا يَنْقَضُ فِي عَجَائِبِهِ، هُوَ الَّذِي لَمْ تَنْتَهِ
الْحِجَّةُ إِذْ سَمِعْتُهُ فَسَعَى قَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا

عَجَيْبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَأَمْتَابِهِ، مَنْ قَالَ بِهِ
صَدَقَ وَمَنْ عَمِلَ بِهِ أَجْرٌ وَمَنْ حَكَوَ بِهِ
عَدَلٌ وَمَنْ دَعَا إِلَيْهِ هَدَى إِلَى صَرَاطِ مُسْتَقِيلٍ
(رَوَاهُ التَّرمِذِيُّ وَالْتَّارِمِيُّ)

حضرت حادث اخود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں (کوفہ کی) مسجد میں لوگوں کے پاس سے گزر ا تو کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ لا یعنی بالوں میں مشغول ہیں۔ میں حضرت علیؑ کی خدمت میں خافض ہوا اور میں نے انھیں اس چیز کی خبر دی (کہ لوگ اس طرح مسجد میں بیٹھے ہوتے فضول باتیں کر رہے ہیں)۔ حضرت علیؑ نے فرمایا : کیا لوگ دافی ایسا کر رہے ہیں؟ میں نے عرض کیا ہاں ! اس پر انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی ارشاد فرمائی تھی میں نے عرض کیا : ”یا رسول اللہ ، اس سے پچھنے کی صورت کیا ہوگی ؟“ — حضورؐ نے ارشاد فرمایا :
 کتاب اللہ — اس میں اس چیز کی خبر بھی ہے کہ تم سے پہلے کی قوموں پر کیا گردی ، اور اس بات کی خبر بھی ہے کہ تھارے بعد میں آنے والوں پر کیا گردے گی ، اور اس چیز کا ذکر بھی ہے کہ تھارے معاملات کے درمیان فیصلہ کرنے کی صورت کیا ہے — یہ قرآن ایک
 بنیجہ اور فیصلہ کن کلام ہے ، کوئی مذاق کی چیز نہیں ہے —
 ہر کوئی ظالم و جبار شخص اس قرآن کو چھوڑے گا اللہ تعالیٰ اس کو محیل کر رکھ دے گا اور جس نے اسے چھوڑ کر کسی اور جگہ سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اللہ اسے گراہ کر دے گا — اور یہ قرآن

اللہ تعالیٰ کی مضبوط رسمی ہے اور یہ حکیمان نصیحت ہے، اور یہی سیدھا راستہ ہے ۔ یہ قرآن وہ چیز ہے کہ تخلیقات اسے غلط راستے پر نہیں لے جاسکتے اور زبانیں اس میں کسی قسم کی آمیزش نہیں کر سکتیں ۔ اور علماء کو بھی اس سے سیر نہیں چوڑ سکتے ۔ اور خواہ اس کو کتنا ہی پڑھو یہ پڑانا نہیں ہوتا۔ اور اس کے عجائبات کو بھی ختم نہیں ہوں گے ۔ یہ قرآن الیٰ پیغمبر ہے کہ جب جنہوں نے اس کو سننا تو وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکے کہ ”ہام نے ایک بلاہی بحیث قرآن سننا ہے جو راویٰ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اس لیے ہم اس پر ایمان لے آئے ہیں“ ۔ جو شخص قرآن کے مطابقی بات کرے گا وہ پہی بات کرے گا اور جو اس کے مطابق عمل کرے گا یقیناً اُبھر پاتے گا اور جو اس کے مطابق فیصلہ کرے گا ضرور عدل کا فیصلہ کرے گا، اور جو لوگوں کو اس کی پیروی کی دعوت دے گا وہ سیدھے راستے کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرے گا“ ۔

(ترمذی[ؑ]، دارمی[ؑ])

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کی اوّلین خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے کہ اس میں گذشتہ قوموں کا نذر کر دے ہوتے یہ بتایا گیا ہے کہ جن قوموں نے بخلافی کی روشن اختیار کی ان کی اس روشن کا کیا تیجہ برآمد ہوا اور جن قوموں نے سیدھی راہ اختیار کی ان کا کیا انجام ہوا۔ اسی طرح یہ بھی بتایا گیا ہے کہ آئندہ غلط راستے پر چلنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے اور صحیح راستے پر چلنے والوں کے لیے کیا بخلافی مقدار ہے۔ مزید برآں اس میں یہ بات بھی سمجھادی گئی ہے کہ اگر کبھی تمہارے درمیان اختلافات رُونما ہوں تو ان کا فیصلہ کس طرح کیا جانا چاہیتے۔

● **مُوَالِفَصْل** کے معنی یہیں کہ قرآن مجید دو لوگ اور فیصلہ کن بات کہتا ہے اور پوری سجیدگی کے ساتھ کہتا ہے۔ اس میں کوئی ایک بات بھی بطورِ مناق نہیں کہہ دی کئی ہے کہ اس کے مانتے یا نہ مانتے سے کوئی فرق واقع نہ ہوتا ہو۔ پھر فرمایا کہ جو شخص قرآن کی چھپوڑگری اور جگہ سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اللہ اسے گمراہ کر دے گا۔ مراد یہ ہے کہ اس کتاب کے سوالات اور کسی جگہ سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ اگر کسی دوسرے فریبی کی طرف رجوع کرو گے تو سو اسے گمراہی کے اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔

● فرمایا کہ یہ قرآن اللہ کی رسی ہے، یعنی یہ بندوں اور خدا کے درمیان تعلق کا واحد ذریعہ ہے۔ اگر کسی نے اس کو تھاما تو خدا سے اس کا تعلق قائم ہو گیا اور اگر اس کو چھپوڑ دیا تو خدا سے اس نے اپنا تعلق کاٹ لیا۔

● قرآن کے حکماء نصیحت ہونے سے مراد یہ ہے کہ یہ ایک الیٰ نصیحت ہے جو سراسر حکمت اور دانائی پر مبنی ہے۔

● فرمایا گیا کہ قرآن وہ چیز ہے جسے تخيّلات غلط راستے پر نہیں لے جا سکتے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کو اپنا رہنمابنائے، اس سے ہدایت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور نہ کسی میں پیش آنے والے سائل و معاملات میں اسی کی طرف رجوع کرے تو پھر اسے نہ اس کے اپنے تخيّلات بھٹکا سکتے یہیں اور نہ رسول کے خیالات گمراہ کر سکتے یہیں۔

البتہ اگر ایک ادمی پہلے سے بعض تخيّلات کراپتے تو ہن میں راسخ کر چکا ہو، اور یہی نہیں بلکہ قرآن کو کبھی ان کے مطابق دھالنا چاہتا ہو تو اس صورت میں اس کے لیے ان تخيّلات سے بچاؤ کی کوئی ضمانت نہیں ہے۔ یاں اگر ایک شخص خلوصِ دل کے ساتھ قرآن ہی سے رہنمائی حاصل کرنا چاہتا

ہے اور یہ فیصلہ کر کے بیٹھتا ہے کہ جو کچھ یہاں ملے گا وہ اسے مانے گا اور جو کچھ یہاں نہیں ملے گا وہ اسے نہیں مانتے گا تو ایسے شخص کو نہ اپنے تجیلات بھٹکائیں گے اور نہ دوسروں کے انکار کر کر سکیں گے۔

● پھر اشادہ والد زبانیں اس قرآن میں کسی طرح کی آمیریت نہیں کر سکتیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا محفوظ کر دیا ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے اندر کسی انسانی کلام کی آمیریت نہیں کر سکے گا

یہ واقعہ ایک صریح صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سات ارشاد فرمائی تھی تو اس وقت یہ کلام ابھی بیش از کیا گیا تھا یہاں آج تقریباً چودہ سو برس گزر چکے ہیں اور کوئی شخص اچھا ہاں اس کے اندر کسی طرح کا رود و بدل نہیں کر سکا۔ اُس وقت تو خدا اور اس کے رسول کے سوا اس بات کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا کہ قرآن میں کسی طرح کی آمیریت نہیں ہو سکے گی اور یہ بات بہر حال پیشگوی علم کی بنابر کی کسی تھکی، لیکن آج یہ بات صدیوں کے تجربے سے ثابت ہو چکی ہے کہ جو کچھ کہا گیا تھا وہ فی الواقع تھی تھا۔ اسی پھر کا ہم صحیح ہے۔

● قرما یا کہ علام کسی اس سے سیر نہیں ہو سکتے۔ یعنی ایک عالم قرآن کو پڑھنے سمجھتے اور اس پر غور و فکر کرنے میں اپنی عمر گزار دے گا لیکن کبھی اس سے سیر نہیں ہو سکے گا۔ اس پر کوئی وقت ایسا نہیں آتے گا جب وہ اس پتختی پر بیٹھے کہ قرآن سے اسے جو کچھ سمجھنا تھا وہ سب کچھ اس نے سمجھ لیا اور اب اسے مزید کسی علم کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کبھی امر واقع ہے کہ آج ہمکار کبھی کسی عالم کی زبان پر یہ بات نہیں آتی ہے کہ اب میں قرآن سے سیر ہو چکا ہوں اب اس میں مزید کوئی پھر لیسی نہیں ہے جو بھی حاصل کرنی ہو۔

پھر فرمایا کہ قرآن کو خواہ کتنا ہی پڑھو یہ پڑانا نہیں چوتا۔

آپ کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبے کی کتاب کو بھی زیادہ سے زیادہ دوچار یاد سے حد دس میں مرتبہ پڑھیں گے بالآخر اکتا جائیں گے لیکن قرآن وہ کتاب ہے لہ حصر بھرا اور بار بار پڑھی جانے کے باوجود طبیعت اس سے نہیں بھرتی۔ خصوصاً سورہ فاتحہ تو دن میں لگ بھگ پچاس مرتبہ پڑھی جاتی ہے لیکن معاذ اللہ سمجھی کسی کے دل میں یہ بیرونی پیدا نہیں ہوتی کہ کب تک وہ ایک بھی چیز کو دہراتا رہے۔ لاریب یہ اس کلام کا ایک سمجھنے چاہیے اور اس کی غیر معمولی خوبی کا ایک نشان۔ ارشاد ہوا کہ قرآن کے عجائب کبھی ختم نہیں ہوں گے ————— واقعہ یہ ہے کہ آدمی کی عمر قرآن مجید کو پڑھتے، اس پر غور کرتے اور تحقیق کرتے گزر جاتی ہے لیکن اس کے عجائب ختم ہونے میں نہیں آتے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ادویہ چالیس اور پچاس پچاس برس کے مطابع کے بعد کسی وقت قرآن کو کھوں کر پڑھتا ہے تو کوئی آیت ایسی سامنے آتی ہے جسے پڑھ کر وہ محسوس کرتا ہے کہ گویا آج پہلی مرتبہ پڑھی ہے کوئی ایسا مضمون اس سے نکلتا ہے جو عمر بھر کے مطابع میں بھی نہیں نکلتا۔ اسی یہے فرمایا گیا کہ اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے۔

قرآن مجید کو شُن کر جھوٹ کے ایمان لانے کا واقعہ سورہ جن اور احتفاف میں بیان ہوا ہے۔ اس سے یہاں معلوم ہوتی ہے کہ ایسا موثر کلام ہے کہ انسان تو انسان جن بھی اگر اس کلام کو ختم، تعجب اور ہست و ہرمی سے لگا ہو کر کھل دل سے منیں تو وہ بھی اس بات کی شہادت دیئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ قرآن راہِ راست کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور صرف اُسی پر ایمان لا کر راہِ پہالتی ہے۔

قرآن مجید کی ان تمام صفات کی بنی پربی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ آئندہ زمانے میں ہو فتنہ آنے والا ہے اس سے بچانے والی چیز سوائے قرآن کے اور کوئی نہیں ہو گی اور اس بات کی وضاحت فرمادی کہ قرآن کی کیا خصوصیات اور کیا کمالات ہیں جن کی بنی پربیہ قیامت تک انسان کو ہر فتنے سے بچتا رہے گا۔

۳۰۔ عامل قرآن کے والدین کو ایک روشن تاج پہنانیا جائے گا

عَزَّ مُعَذِّذُ الْجُبِينِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَعَمِلَ بِمَا
فِيهِ أَلْبَسَ وَالَّذَا هُوَ تَاجًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ضَرُورٌ
أَخْسَنُ مِنْ ضَنْقَةِ الشَّمْسِ فِي بُيُوتِ الدُّنْيَا لَوْ
كَانَتْ فِيْكُمْ فَمَا ظَلَّ كُفُرٌ بِالَّذِي عَمِلُ بِهِمْ
(رواہ احمد و أبو داؤد)

حضرت معاویہ بن جہنم رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد لعقل کرتے ہیں کہ ہر شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے قیامت کے روز اس کے والدین کو ایک تاج پہنانیا جائیگا کہ جس کی روشنی ایسی ہو گی کہ اگر سورج بھی محارے گھروں میں اتر آتے تو وہ اس کی روشنی سے گدھ ہو گی ۔ ۔ ۔ پھر تھار اکی نیاں ہے کہ ہر شخص خود قرآن کے مطابق عمل کرنے والا ہے اس کی شان کیا ہو گی۔

(ابن ماجہ، ابو داؤد)

یہاں ان والدین کا ذکر نہیں ہے جو اپنی اولاد کو قرآن پڑھنے سے روکتے ہیں

اور قرآن پڑھنے والے بچتے سے یہ کہتے ہیں کہ یہ تو ملا بن گیا ہے اب یہ ہمارے کسر کام کا۔ یہ کیا دنیا کا تے گا، یہ تو قرآن پڑھنے میں لگ گیا ہے ۔۔۔ اس کے برعکس یہاں ان والدین کا ذکر ہے جنھوں نے اپنے بچے کو قرآن پڑھایا اور اسے ایسی تربیت دی کہ وہ ان کی زندگی میں بھی اور ان کے بعد بھی قرآن پڑھتا رہا، اور اس نے اپنی عملی زندگی کی تعمیر بھی اس کے مطابق کی۔ اس کے قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کا نہ صرف یہ کہ شود اس کو اجر ملے گا بلکہ اس کے والدین بھی اجر پائیں گے۔ وہ اجر یہ ہو گا کہ قیامت کے روز انھیں بزرگی اور انتخار کا روشن تاج پہنایا جاتے گا ۔۔۔ اس چیز سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص شود قرآن کو پڑھنے اور اس پر عمل کرنے والا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کی کیا کچھ محشر پائیاں ہوں گی اور وہ کیا کچھ اجر پائے گا۔

۳۱۔ قرآن کی حفاظت نہ کی جائے تو وہ بہت جلد فراموش ہو جاتا ہے

عَزَّ أَيُّ مُؤْسِى الْأَشْعَرِيٌّ قَالَ قَالَ سَمْوُلُ اللَّهِ
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : تَعَااهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَالَّذِي
نَفْسِي بِيَدِكُمْ لَهُوَ أَشَدُ تَفَصِّيًّا مِنَ الْإِيمَانِ فِي
عُقُّهَا۔ (متفق علیہ)

حضرت عابد موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قرآن مجید کو ذہن میں محفوظ رکھنے اور یاد رکھنے کا اہتمام کرو کیونکہ قسم ہے اس ذات کی جسکے ہاتھ میں ہیری جاتا ہے یہ ذہن سے بخلنے کیلئے اُسی طرح، بلکہ اس شے بھی زیادہ جلدی کرتا ہے، جس طرح یہندھے ہوتے اُونٹ ری تڑا کر بھاگنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (متفق علیہ)

مراد یہ ہے کہ اگر آدمی قرآن مجید کو یاد کرنے کے بعد اسے یاد رکھنے کی نظر نہ کرے تو یہ آدمی کے ذہن سے اس طرح فرار کرتا ہے جس طرح اُونٹ رستی ترٹا کر جانے کی کوشش کرتا ہے ۔ ۔ ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا نفس قرآن مجید کو اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک کہ انسان اسے پوری ارادی قوت کے ساتھ قرآن کو قبول کرنے اور ذہن نشین کرنے پر مجبور نہ کرے۔ اگر یہ اہتمام رکھا جاتے تو وہ قرآن مجید کو اگل دینے اور اس سے نکل جما گئی کوشش کرتا ہے کیونکہ اس کے اندر یہ کمزوری موجود ہے کہ وہ قرآن کی عاید کردہ پابندیوں سے نکلنا چاہتا ہے ۔ وہ ان حدود سے بجاوز کرنا چاہتا ہے جو قرآن اس کے لیے مقرر کرتا ہے اسی وجہ سے ایک بند علفش جو اپنے نفس پر چبر کر کے اُسے خدا کی اطاعت پر آمادہ کرنے والا نہیں ہوتا وہ بعض اوقات قرآن کو سننے ہوئے بُکْرَ آتَيْتَ کہ معلوم کون کی آیتِ الیٰسی آجائے جو اس پر صحبت تمام کر کے اُسے مجبور کر دے کہ وہ اپنے غلط اور ناجائز کاموں سے باز آجائے ۔ اسی لیے فرمایا کہ قرآن کو یاد کرنے کے بعد اُسے ذہن میں محفوظ رکھ کی کوشش کروتا کہ یہ تمحیری غفلت اور کوئا ہی کی وجہ سے فراموش نہ ہو جائے ۔

۳۲۔ قرآن کو یاد کر کے بُکْلَادِ دینا بہت بُری بات ہے

عَنْ أَبْنَى مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : بِئْسَ مَا لِأَحَدٍ هُمْ أَنْ يَقُولُ لَنِي
آيَةٌ كَيْنَتْ وَكَيْنَتْ بَلْ نُسْتَيْ وَاسْتَدْرِكْ وَالْقُرْآنَ
فِيَاهُ أَشَدُّ تَفْصِيًّا مِنْ صُدُورِ الْجَالِيْمِ مِنَ النَّعِيمِ
(مُتَفَقُ عَلَيْهِ وَزَادَ مُسْلِمٌ : بِعَلِيهِما)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : ایک آدمی کیلئے بہت بُری بات ہے کہ دھیہ کئے میں فلاں فلاں آیت بھول گیا ہوں ۔ ۔ ۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ اسے اس کی غفلت کی بنابر پر بھولا دیا جاتا ہے

قرآن کو یاد رکھنے کی کوشش کرو کیونکہ وہ لوگوں کے سینوں سے اُمنٹوں سے بھی بڑھ کر نکل جائے کی کوشش کرتا ہے (اُن اُمّتوں سے جو رسیلوں میں بندھتے ہوئے ہوں) ۔ (متفق علیہ)

یہاں کہی وہی چیز دوسرے پیرا سے میں بیان کی گئی ہے۔ فرمایا گیا کہ کسی شخص کے لیے قرآن مجید کو یاد کرنے کے بعد بھولا دیا بہت بُری بات ہے۔ اس کا بھول جانا دراصل اس بات کی علامت ہے کہ اس نے قرآن کی پرواہیں کی اور اسے یاد کرنے کے بعد اس کی طرف توجہ نہیں دی۔ اب پونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کی طرف سے بے نیازی برتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ بھی اسے بھولا دیتا ہے۔ وہ اپنا کلام ایسے آدمی کے پاس رکھنا پسند نہیں کرتا جو اس کا قدر شناس نہ ہو ۔ ۔ ۔ اس لیے فرمایا کہ قرآن کو یاد رکھنے کی کوشش رودار یاد کرنے کے بعد است بھلا نہ وو۔

۳۳۔ قرآن یاد کرنے والے کی مثال

عَزِيزٌ أَبْنَى عُمَرَ أَنَّ التَّسِيِّيَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْأَبْيَلِ الْمُعْقَلَةِ إِنَّ عَاهَدَ عَلَيْهَا أَمْسَكَهَا وَإِنَّ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ ۔ (متفق علیہ)

حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ عنہما) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد
نقل کرتے ہیں کہ قرآن یاد کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جس
کے پاس بندھے ہوتے اونٹ ہوں۔ اگر وہ ان کی حفاظت کی فکر کرے
گا تو وہ اس کے پاس رہیں گے اور اگر وہ انھیں آزاد کر دے گا تو وہ
بیاگ کھڑے ہوں گے۔ (متفق علیہ)

^{ابن حیان} حضرت ابو موسیٰ اشعراویؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعود اور حضرت عبد اللہ بن
عمرؓ سے یعنی مختلف روایتوں میں ایک ہی جیسا منہموں الفاظ کے کچھ تغیر کے
ساتھ بیان ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
مختلف مواقع پر یہ بات لوگوں کو ذہن شین کرائی ہے کہ جتنا قرآن یاد کرواتے
یاد رکھنے کی کوشش بخی کرو۔ اگر اسے بار بار تکرار کے ذریعے سے ذہن میں محفوظ رکھنے
کی کوشش نہیں کرو گے تو یہ تمہارے ذہن سے نکل جائے گا۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ قرآن کے حفاظ اہمیتہ قرآن درہ راست رہتے ہیں۔ اگر
انھیں رمضان میں قرآن ستانہ ہو تو اس کے لیے انھیں کافی پڑھنے سے تیاری کرنی
پڑتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر آدمی قرآن یاد کرنے کے بعد اسے محفوظ رکھنے
کا اہتمام نہ کرے تو یہ بہت جلد فراموش ہو جاتا ہے۔

۳۴۔ قرآن کو دیجئی اور کیسوں کے ساتھ پڑھو

عَنْ جُنَاحِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ قَالَ قَالَ
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِقْرَأُوا
الْقُرْآنَ مَا أَتَلَفْتُ قُلُوبَكُمْ، فَإِذَا اخْتَلَفْتُمُ
فَقُوُّمُواعِثُهُ۔ (متفق علیہ)

حضرت جنید بْن عبْد اللَّه رضيَ اللَّه عنْه بِيَانَ كَرَتَه مِنْ كَهْرِ سُولِ اللَّه
صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَفَرَ مِنْ قُرْآنَ أَوْسَوقَتْ تَكَبْرَتْ حَجَبَ تَكَبْرَ
كَهْرَ تَحْمَارَ اَدَلَ اَسْمَى لَكَارَهِيَهِ - جَبَ دَلَنْ لَكَ رَهَا هَرَهْ تَوْرَهْ حَنَاهَهْ حَوْرَهْ
دو۔ (متفق عليه)

مراد یہ ہے کہ آدمی ایسی حالت میں قرآن نہ پڑھئے جب کہ اس کا ذہن قرآن
کی طرف پوری طرح متوجہ ہو۔ آدمی جتنا کچھ دلچسپی اور توجہ کے ساتھ پڑھ سکتا ہو اتنا
کچھ پڑھے۔ اصل چیزِ منزل پوری کرنا نہیں ہے بلکہ قرآن کو پوری توجہ سے اور اس
کے معنی سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے پڑھنا ہے۔ یہ نہیں ہے کہ اگر آپ نے
ایک پارہ پڑھنے کا ارادہ کیا ہے تو آپ اس حالت بھی پہنچئے ہوئے اسے پڑھتے
ہیں جبکہ آپ کا ذہن اس کی طرف یکسو نہ ہو رہا ہو۔ اس سے بد رہما بہتر ہے کہ آپ
ایک ہی روایت پڑھیں لیکن اچھی طرح سے دل لکھ کر پڑھیں۔ اگر آدمی یہ ذکر کے
تو بعض منزل پوری کر لیتے سے کیا حاصل۔

۳۵- رسول اللَّه صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَاطِرَةُ قِراءَتِ

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سَيِّدُ أَنَسَ كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ
النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ كَانَتْ مَدَدًا
مَدَدًا ثُمَّ قَرَأَ إِسْمَاعِيلَ اللَّهُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ يَمْدُدُ
بِإِسْمِ اللَّهِ وَيَمْدُدُ بِالرَّحْمَنِ وَيَمْدُدُ بِالرَّحِيمِ
(رواه البخاري)

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے
پوچھا گیا کہ نبی صَلَّى اللَّه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی قِراءَتِ کا طریقہ کیا تھا۔ انہوں نے

جواب میں فرمایا کہ آپ الفاظ کو کھینچ کھینچ کر (عنی پوری طرح ادا کرتے ہوئے) پڑھتے تھے پھر انہوں نے منوہم اللہ الرحمن الرحيم پڑھ کر سنائی اور ایک ایک لفظ کو کھینچ کر ادا کیا یہ سُجَّدُ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ (اللہ، س رحمٰن اور س رحیم کے الفاظ کو کھینچ کر پڑھا)۔ (بخاری)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن جلدی نہیں پڑھتے تھے بلکہ ایک ایک ایک لفظ کو کھینچ کر ادا کرتے تھے۔ اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ آپ غیر طبعی طریقے سے کھینچ کر پڑھتے تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ آپ لفظ لفظ کو آہستہ آہستہ پوری طرح ادا کرتے ہوئے ایسے اندازے پڑھتے تھے جس سنتے والا یہ اثر قبول کرے کہ قرآن پڑھنے کے دو ران میں آدمی کافہ ہن پوری طرح اس بات میں لگا ہوا ہے۔

۳۶۔ نبی کا خوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنا اللہ کو بہت محبوب ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَذِنَ اللَّهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ يَتَغَيَّرُ بِالْقُرْآنِ (متتفق عليه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سناتا جتنا توجہ سے وہ نبی کی آواز کو سنتا ہے جبکہ وہ قرآن خوش آوازی کے ساتھ پڑھ رہا ہو۔ (متتفق عليه)

۳۷۔ عَنْ أَبِي هُرَيْثَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا أَذِنَ اللَّهُ لِشَيْءٍ مَا أَذِنَ لِنَبِيٍّ حَسِينَ الصَّوْتِ بِالْقُرْآنِ يَجْهَرُ بِهِ . (متفق عليه)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا : اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اتنی توجہ سے نہیں سننا جائی تو جس سے کہ ایک خوش آواز بھی کے قرآن پڑھنے کو سنتا ہے جبکہ وہ باوازِ بند پڑھ رہا ہے۔ (متفق علیہ)

مذکورہ بالادنوں حدیثوں کے الفاظ اگرچہ کسی قدر مختلف ہیں میں ان دونوں کا مضمون اور شہود ایک ہی ہے میراد یہ ہے کہ بھی کاخوش آوازی کے ساتھ قرآن پڑھنا ایسی چیز ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس سے بڑھ کر کوئی چیز مرجحوب اور محبوب نہیں۔ یہی وجہ ہے لہ وہ جس محبت اور توجہ سے بھی کے قرآن پڑھنے کو سنتا ہے اس محبت اور توجہ سے کسی اور چیز کو نہیں سنتا۔

۳۸۔ بِوْقُرْآنِ كَرْتَغْنِي نَهْ بُو جَاءَ وَهُوَ حَمْدٌ سَمِّيْسَ سَمِّيْسَ

عَنْ أَبِي هُرَيْثَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَيْسَ مِنَ الْمُتَغَرِّبِ بِالْقُرْآنِ . (رواۃ البخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی ائمۃ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اور شخص ہم میں سے نہیں بِوْقُرْآنِ کاخوش آوازی سے نہ پڑھنے یا بِوْقُرْآنِ کو لے کر تغفی نہ ہو جاتے۔ (بخاری)

یہاں یہ بات اپنی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ خوش آوازی سے مراد کیا ہے :
 قرآن خوش آوازی سے پڑھنا اور چیز ہے اور گاکر پڑھنا اور چیز۔ خوش آوازی سے پڑھنا یہ ہے کہ آدمی است اچھے طریقے سے اور اپنی آواز کے ساتھ پڑھتے تاکہ سننے والا اس کی طرف متوجہ بھی اور اس سے متاثر بھی۔ پھر خوش آوازی میں صرف آواز کی خوبی ہی شامل نہیں بلکہ یہ بات بھی شامل ہے کہ آدمی ایسے طریقے سے پڑھتے جس سے یہ ظاہر ہو کر وہ ایک ایک آیت کا اثر قبول کرتے ہوئے پڑھ رہا ہے — قرآن پڑھنے کا انداز یہ ہونا چاہیئے کہ آدمی جس مضمون کی آیت پڑھ رہا ہو اس کی کیفیت بھی اس پر طاری ہو۔ مثلاً اگر کوئی عذاب کی آیت ہے تو اس میں اس کا بدلہجہ ایسا ہو کہ یہ اس پر خوف کی کیفیت طاری ہے۔ اگر وہ کوئی ثواب کی جا آخرت کی نعمتوں کی آیت پڑھ رہا ہو تو وہ اسے اس طرح سے پڑھتے کہ جیسے اس پر ایک انبساط اور سرست کی کیفیت طاری ہے۔ اسی طرح اگر کسی آیت میں استفہام ہے تو وہ اسے استفہام کے انداز میں ادا کرے — اس طرح قرآن مجید کو خود سمجھ کر اور اس سے متاثر ہوتے ہوئے ایسے انداز سے پڑھنا چاہیئے جس سے سننے والا خوش آوازی سے متاثر ہونے کے علاوہ اس سے اس طرح اثر قبول کرے جس طرح کسی اچھے مقرر کی تقریر کا اثر قبول کرتا ہے — اگر بات نہ ہو اور قرآن کو مخفی گانے کی کسی سُرتال کے ساتھ پڑھ جائے تو وہ تَغْيِيْرِ الْقُرْآنِ یا الْقُرْآنِ اَنْهِيِّ ہے — اسے جدید دور کی اصطلاح میں ثغافت کا نام تو دیا جاتے کامگروہ خوش آوازی کے ساتھ قرآن کی تلاوت نہیں گی۔

تَغْيِيْرِ الْقُرْآنِ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کو لے کر آدمی دنیا کی ہر چیز سے مستقی ہو جاتے۔ اس کے بعد اسے چاہتے ہو، اس خدا پر بھروسہ کرے جس کا وہ کلام ہے۔ پھر کسی کے آگے نہ اس کا ہاتھ پھیلے نہ اس کی گردان جھکے پھر زدہ کسی سے

ڈرے اور کسی سے کوئی طمع رکھے۔ اگر یہ بات نہیں ہے تو اس نے قرآن کو بھیک کا
لکڑا تو نبنا لیا میکن اسے لے کر وہ دنیا سے ستفنی نہیں ہوا۔

۳۹- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - قرآن - اور فریضہ شہادت حق

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْسَبِ
إِقْرَأْ أَعْلَى، قُلْتُ أَقْرَأْ أَعْلَيْكَ وَعَلَيْكَ أُنْزَلَ؛ قَالَ إِنِّي
أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ، مِنْ غَيْرِيْ فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَاءِ
حَتَّى أَتَيْتُ إِلَى هِذِهِ الْآيَةِ: فَكَيْفَ إِذَا جَنَّا مِنْ
كُلِّ أُمَّةٍ لِبَشَهِيدٍ وَجَنَّا يَكُونُ عَلَى هُوَ لَاءُ شَهِيدٍ أَ،
قَالَ حَسْبُكَ الْأَنَّ، فَالْتَّقَتُ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ
تَذَرُّقَ فَانِ۔ (مُتَّفَقُ عَلَيْهِ)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، جب کہ وہ منبر پر تشریف فرماتھے، مجھ
سے مخاطب ہو کر فرمایا: مجھے پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا کیا میں
آپ کو پڑھ کر سناؤں درستھا یا کہ آپ ہی پر قرآن اُتزاء ہے؟ حضور نے
فرمایا: ماں میں چاہتا کہ قرآن کسی دوسرے شخص سے سنوں۔ پھر میں نے

سورہ نساء کی تلاوت کی۔ یہاں تک کہ میں اس آیت پر پہنچا۔

”کیا بنے گی ان لوگوں پر اس وقت جبکہ ہم ہر امت پر ایک گواہ لایں

گے اور اے نبی! ہم آپ کو اس امت پر گواہ بنائ کر کھڑا کریں گے۔“

جب میں اس مقام پر پہنچا تو حضرت نے فرمایا: بس کافی ہے۔ اچانک

میری لگاہ حضور کے پھرہ مبارک پر طبی نزکیاں بخاتا ہوں کہ آپ کی آنکھوں
سے آنسو بہر رہتے ہیں۔ (متفق علیہ)

وہ تمام لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں جاپ کی بخشش کے بعد
سے اس دنیا میں پائے جاتے ہیں، اس فرق کے ساتھ کہ اگر وہ حضور پر ایمان لاتے
ہیں تو وہ ایک صحنی میں آپ کی امت ہیں اور اگر انہوں نے ایمان قبول نہیں کیا تو
وہ روسرے صحنی میں آپ کی امت ہیں۔ کسی بھی کی امت ایک تو وہ لوگ ہوتے ہیں
جو اس کے پیر و ہریں اور دوسرا وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی طرف اس بھی کو بھیجا گیا ہو۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام انسانوں کی طرف بنی بناکر بھیجے گئے ہیں اس لیے
آپ کی بخشش سے لے کر قیامت تک بختی لوگ ہوں گے وہ سب آپ کی امت
ہیں۔

بنی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عبد اللہ بن مسعود سے سورہ النساء کی آیت سن کر
آپ دیدہ کیوں ہو گئے ہیں
اس بات پر غور کیجئے۔

آخرت میں سب قومیں اللہ تعالیٰ کی عدالت میں پیش کی جائیں گی اور ہر قوم
پر اس کے بنی کو بطور گواہ کھڑا کیا جاتے گا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی جنت اس قوم
پر اس وقت تک پوری نہیں ہو گی جب تک کہ بنی خدا کے حضور میں اس بات
کی شہادت نہ دے کہ اس نے خدا کا پیغام لوگوں تک پہنچانے کا حق ادا کر دیا تھا۔
اگر معاذ اللہ بنی کی طرف سے کوئی ادنیٰ سی کوتاہی بھی رہ گئی ہو تو وہ اس بات کی شہادت
نہیں دے سکتا کہ اس نے پیغام پہنچانے کا حق ادا کر دیا۔ اس طرح اس کی امت
سے ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے اور استثنائی کی شہادت بھی ختم ہو جاتی ہے۔
بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذمہ داری کا اس قدر شدید احساس تھا کہ جب

آپ نے یہ آیت سُنْتی تو آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اس خیال نے آپ کو
بے تاب کر دیا کہ مجھے کتنی بڑی ذمہ داری کے مقام پر کہا کیا گیا ہے۔ آج سے لے
کر قیامت تک جتنے انسان بھی ہوں گے ان سب پر خدا کی جنت میرے ذریعہ سے
تمام ہو گی۔ اگر مجھ سے اس جنت کو پورا کرنے میں ذرہ برابر بھی کمی رہ گئی تو مجھے اس
کی جواب دہی کنایا پڑے گی۔

غور کیجئے — کیا اس سے بڑا کوئی منصب اس دنیا میں ممکن ہے اور
کیا ایک انسان کی اس سے بڑی کوئی ذمہ داری ہو سکتی ہے کہ اس کے زمانے سے
لے کر قیامت تک، کے تمام انسانوں پر خدا کی جنت پوری ہونے کی ذمہ داری
تھماں اس کی ذات پر ہے۔ عالم ای منصب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مختار اور اسی کی مٹھن ذمہ داری
کے احساس سے حضور مسیح کی مدد و ہمدری ہوئی جاتی تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ
کو تسلی دلانے کے لیے یہ الفاظ فرمائے:

وَوَضَعْتَ عَنْكَ وِزْرَ رَأْثَةِ الَّذِيْ أَنْقَصَ ظَهْرَكَ (المترجح: ۲۰۲)
(اد رہم نے آپ سے وہ بخاری بوجوہ امار دیا جو آپ کی کمر توڑے ڈال رہا تھا)
ایک طرف تنبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اس عظیم اور مٹھن ذمہ داری کا شدید
احساس ہنا اور دوسری طرف آپ ہر وقت اس غم میں گھلے جاتے رہتے کہ ہم لوگوں کو
میں ہدایت کی طرف بلارہا ہوں وہ اس سے مسلسل چینگڑاں کر کے خود کو ایک خوفناک
انعام کی طرف دھکیل رہے ہیں۔ قرآن میں آپ سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد
ہوا ہے:-

كَعَلَكَ بَايَخُ نَفْسَكَ أَنْ لَا يَكُونُ نَوْأِمُ مِنِّيْنَ (الاسراء: ۳۰)

(ناہید آپ اس غم میں اپنی جان ٹکھوڑیں گے کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لائے)
یہی وجہ ہے کہ جب آپ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے وہ آیت سُنْتی تو

اپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور آپ نے فرمایا کہ بس یہیں رُک جاؤ
اب آگے کا تجھل نہیں ہے۔

ب۔ علم قرآن کی برکت سے حضرت ابی بن کعب کا اعزاز

عَنْ أَنَسِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِابْنِ كَعْبٍ : إِنَّ اللَّهَ أَمْرَنِي أَنْ أَقْرَأَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ ، قَالَ اللَّهُ سَمِّيَّنِي لَكَ ؟ قَالَ نَعَمْ ، قَالَ وَقَدْ ذُكِرْتُ عِنْدَ رَبِّ الْعَالَمِينَ ؟ قَالَ نَعَمْ ، فَذَرْفَتْ عَيْنَاهَا ، وَفِي رِوَايَةٍ : إِنَّ اللَّهَ أَهْرَنِي أَنْ أَقْرَأَ أَعْلَيَكَ : لَمْ يَكُنْ الَّذِينَ كَفَرُوا ، قَالَ وَسَمِّيَّنِي ؟ قَالَ نَعَمْ : فَبَكَى . (متفق علیہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ مجھے حکم دیا ہے کہ میں تھیں قرآن مجید سناؤں۔ حضرت ابی بن کعب نے عرض کیا: کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام کے کراپ سے یہ بات فرمائی ہے؟ حضور نے فرمایا: ہاں۔ آنکھوں نے دوبارہ عرض کیا: کیا مجھ کچھ فتح میرا ذکر اللہ رب العالمین کے حضور میں ہوا؟ حضور نے ارشاد فرمایا: ہاں۔ اس پر حضرت ابی بن کعب کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ — ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ آتے ہیں: اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تھیں لَمْ يَكُنْ الَّذِينَ كَفَرُوا... . لہ پڑھ کر سناؤں۔ حضرت ابی

لہ سورة البیتنة۔

بن کعب نے عرض کیا : کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر یہ بات فرمائی ہے ؟
 خود نے فرمایا : ہاں۔ اس پر حضرت اُبی بن کعب روپڑے۔ (تفقیع علیہ)
 حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی وہ کیا خصوصیت تھی جس کی بنا پر اللہ
 تعالیٰ نے انھیں اتنی بڑی عزت و مرتبت سے سرفراز فرمایا۔

احادیث میں آتا ہے کہ حضرت اُبی بن کعب صحابہ کرام میں سے قرآن کو سب
 سے زیادہ جانتے والے لوگوں میں سے تھے۔ — اللہ تعالیٰ
 نے صحابہ کرام کی تربیت جن بے شمار طریقوں سے فرمائی ان میں سے ایک طریقہ
 یہ تھا کہ جس صحابیؓ کے اندر کوئی غیر معمولی صلاحیت ہوتی تھی اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ
 خصوصیت کا برداشت اختیار فرماتے تاکہ اس کی ہمت افرمائی ہو اور اس کی وہ صلاحیت
 نشووناپاٹے۔ — اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت
 کی گئی کہ آپ حضرت اُبی بن کعب کو قرآن پڑھ کر نائیں اور حضرت اُبی بن کعب اس
 پر نوشی سے پھوٹے نہ سائے کہ اللہ اکابر میرا یہ مقام، کہ اللہ کے ہاں میرا نام لے کر
 میرا ذکر کیا جائے۔

آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے دلوں میں کلامِ الہی کی محبت
 کس قدر تھی اور وہ اس بات کے کس قدر مشاہق اور آرزومند رہتے تھے کہ وہ اللہ
 رب العالمین کی زکاہ میں آئیں اور خدا گزرگ و برتر ان کے ساتھ خصوصیت کا
 کوئی یہ تاد کرے۔

۲۱۔ قرآن کو دشمن کی سر زمین میں نہ لے جاؤ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ نَهْلِي سَقُولُ اهْلُكَ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ يَسَّافِرَ بِالْقُرْنَ إِلَى أَرْضِ الْعَدُوِّ.

(مُتَقْعِدٌ عَلَيْهِ) وَفِي رِبَّاقٍ أَيَّةً لِمُسْلِمٍ لَا تُسَافِرْ فَإِنَّ الْقُرْآنَ
فَإِنَّ لَأَمْنَ أَنْ يَتَالَهُ الْعَدُوُّ -

حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے روایت ہے کہ رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ ادمی دشمن کی سرزین
میں قرآن لے کر جائے ۔ مسلم کی ایک دوسری روایت
میں یہ الفاظ آتے ہیں کہ قرآن لے کر (دشمن کی سرزین میں) نجاؤ ۔
مجھے اندازہ ہے کہ کہیں دشمن کے ہاتھ ز لگ جائے ۔ (متفق علیہ)
مدعا یہ ہے کہ جس بندوق قرآن مجید کی توہین اور بے ادبی ہوئے کا اندازہ ہو
وہاں جان بوجھ کر قرآن کا لے جانا درست نہیں ۔

۳۲- اصحاب صفة کی فضیلت

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرَى قَالَ جَلَسْتُ فِي
عِصَابَةٍ مِنْ ضُعَفَاءِ الْمُهَاجِرِينَ وَإِنَّ بَعْضَهُمْ
لَيَسْتَرُّ بِعَيْنِ مِنَ الْعُرْبِيِّ وَقَارِئٍ يَقْرَأُ عَلَيْنَا إِذ
جَاءَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَيْنَا
فَلَمَّا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكَتَ
الْقَارِئُ فَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ مَا كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ؟ قُلْنَا
كُنَّا لَسْتَمُ إِلَى كِتَابِ اللَّهِ، فَقَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي
جَعَلَ مِنْ أَمْرِيَّ مِنْ أَمْرِكُ أَنْ أَصْبِرَ لِنَفْسِي مَعْهُمْ
قَالَ بِعِلْمِي وَسَطَنَ إِلَيَّ عِدَلٌ بِنَفْسِهِ فَيَنْتَهِ، ثُمَّ
قَالَ بِيَدِهِ هَكَذَا فَتَحَلَّقُوا وَبَرَزَتْ وُجُوهُهُمْ لَهُ
فَقَالَ أَبْشِرْ فَايَامَعْشَرَ صَعَالِيْكَ الْمُهَاجِرِينَ

بِالنُّورِ التَّامِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تُنْخَلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ
أَغْنِيَاءِ النَّاسِ بِنِصْفِ يَوْمٍ وَذَلِكَ خَمْسٌ مِائَةٌ
سَنَةٌ۔ (عَوَادٌ أَبُودَاوَدٌ)

حضرت ابو سعيد خدري رضي الله عنه بيان فرماتے ہیں کہ میں ایک روز غریب اور خستہ حال مہاجرین کی ایک جماعت میں بیٹھا ہوا تھا۔ حالت یہ تھی مگر ان میں سے ہر ایک دوسرے کی اوٹ لے رہا تھا کیونکہ ان کے پاس تن ڈھانکے کوپرے کپڑے نہیں تھے اور (انھی مہاجرین میں سے) ایک قاری ہیں قرآن پڑھ کر سنارہتا۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہمارے مجمع کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔ جب حضورؐ آ کر کھڑے ہوتے تو جو صاحب قرآن پڑھ رہے تھے وہ خاموش ہو گئے۔ حضورؐ نے ہم لوگوں کو سلام کہا اور پھر فرمایا کہ تم لوگ کیا کر رہے ہے تھے؟ ہم نے عرض کیا کہ ہم اللہ کی کتاب فتن رہے تھے۔ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ اس اللہ کا شکر ہے جس نے میری امت میں ایسے لوگ فراہم کر دیئے ہیں جن کے بارے میں مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان کی مسنت پر مطمئن رہوں۔

پھر حضرت ابو سعيد خدري بیان کرتے ہیں کہ آپؐ اس طرح ہمارے درمیان بیٹھ گئے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی امتیاز نہ رہا (یوں معلوم ہوتا تھا کہ آپ ہمیں میں سے ہیں، کوئی آگاہ شخصیت نہیں)۔ پھر حضورؐ نے اس طرح اشارة کیا، مدعایہ تھا کہ حلقة بناؤ کر بیٹھو۔ لوگ اس طریقے سے حلقة بناؤ کر بیٹھ گئے کہ سب کے چہرے حضورؐ کے سامنے ہو گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا، اے منلوک الحال مہاجرین، نخشچیری ہو تو ہمیں اس سکل فرُک جو قیامت کے لفڑ

تم تحسیں حاصل ہو گا۔ تم دولت مندوں سے اور میں دن پہنچتے جنت میں داخل ہو گے اور آخرت کا آدھا دن دنیا کے پانچ سوال کے برابر ہے۔
(رب مداؤد)

ضَعْفَةُ الْمُهَاجِرِينَ سے بڑھنے والے جسمانی طور پر ضعیف، ملبوہ میں ہیں بلکہ غریب اور خستہ حال سرداہیں۔ یعنی وہ ہمہ جریں جو بے سرو سامانی کے عالم میں صرف تن کے کپڑوں کے ساتھ اپنے گھر بار چھوڑ کر آگئے تھے۔ ان کے پاس نہ پہنچنے کو کپڑا تھا، نہ کھانے کو روٹی اور نہ سرچھپائے کو جگہ۔ میکن دین کے ساتھ وایسٹگی اور قرآن سے شیفتگی کا یہ عالم تھا کہ فارغ بیٹھ بیکار باقیں کرنے کے بجائے اللہ کا حکام میں نہ ہونے اور مسنا تے۔

اس مقام پر اچھی طرح سمجھ دیجئے کہ قرآن مجید میں شیعی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات کیوں کہی گئی کہ ان لوگوں (ضعیف مهاجرین) کی معیت پر صبر کرو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اشد تعالیٰ کی حمد و شنا اور اس کا شکر کیوں ادا کیا۔

قرآن مجید میں یہ بات اس مقام پر فرمائی گئی ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے یہ ہدایت فرمائی ہے کہ تکے کے ان بڑے بڑے سرداروں اور دولت مندوں کے قبول حق سے انکا کی کوئی پرواہ نہ کرو، اور اس بات کی فکر میں نہ لگو کہ ان میں سے کوئی تھاری جماعت میں آئے گا تو اس کے اثر و بدایہ اور ذاتی وجہت سے یہ دین فروع پائے گا۔ بلکہ اس کے برعکس بوجوگ مغلس اور کنکال میں میکن ایمان لا کر تھار سے پاس آتے ہیں ان کی معیت اور رفاقت پر مطمئن ہو جاؤ۔

● ایک آدمی جب دین کی تبلیغ کا آغاز کرتا ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ بڑے بڑے باڑ لوگ اس کی دعوت پر بیکاں کہیں تاکہ ان کے قبل وین سے دعوت وین کے

لہ سورہ کھف میں اشارہ پابند ہے:- وَ اَسْبِرْ لَهُمْ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْفَدَا وَ لَا

لَا اُفْسِرْ بِرِيدَوْنَ وَجْهَهُهُ وَلَا تَدْعِ عَيْنَكَ عَنْهُهُ جَرِيدَ زَرِيتَهُ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا:-

کام کو فروغ نصیب ہو۔ اس صورت میں جب کم حیثیت اور سفلوک الحال لوگ آکر اس دعوت میں بچپی لیتے، اسے قبول کرتے اور اس کام کے لیے خود کو پیش کرتے ہیں تو بعض اوقات وہ یہ سلوچت ہے کہ ایسے کم مرتب لوگوں کے ساتھ دین کو کیا فردغ نصیب ہو گا ۔ یعنی دین کے لیے کام کرنے والوں کے سوچنے کا یہ انداز درست نہیں اس یہی اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پدایت فرمائی کہ وہ غریب اور کم حیثیت مونین کو کم اہم سمجھیں، بلکہ ان کی میمت پڑھائیں ہو جائیں، اور ان کے مقابلے میں بڑے بڑے شیوخ اور رئیسوں کی نظر نہ کریں۔

● کفارِ مکہ کے سردار بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات کا طعنہ دیتے تھے کہ قوم کے وہ دنما اور صاحبِ حیثیت لوگ بھی کی طرف قوم اپنے معاملات میں رجوع کرتی ہے، ان میں سے کوئی بھی آپ پر ایمان ہیں لا یا۔ بس یہی قسم کے لوگ آپ پر ایمان لائے ہیں اور ان کو لے کر آپ جنتے ہیں کہ دنیا میں خدا کا دین پھیلا دیں گے۔ ان کے ان طعنوں کے جواب میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جو شخص ایمان لا رہا ہے وہی دراصل قمیتی ہے اس کے بر عکس ہو شخص ایمان کو رد کر رہا

وَلَا تُطْعِنْ مَنْ أَنْفَقَنَا قَلْبَهُ عَنْ ذِكْرِنَا وَأَتَبَعَهُ هَوَانَهُ وَكَانَ آمِرُهُ فِرْطًا وَّ قَلْ
الْحَقُّ مِنْ هُنَّ يَكُونُونَ قَدْ فَعَنْ شَاءَ كُلُّهُمُونَ وَمَنْ شَاءَ فَلِيَتَّقْرِبْ (پ ۷۹ سورۃ الکഫ آیت ۲۹)

ترجمہ:- اور اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے دل کو ان لوگوں کی میمت پڑھان کر وجوہ اپنے رب کی رضا کے طلب گارب کریج دشام اسے چلاتے ہیں اور ان سے ہرگز زکاہ نہ پھیرد۔ کیا تم دنیا کی زینت پسند کرتے ہو؟ کسی ایسے شخص کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو جنم اپنی یاد سے غافل کر دیا اور جس نے اپنی خواہش نشیں کی پیر وی اختیار کر لیا ہو اور اس کا طبق کار افراط و تفریط پر منی ہے ۔ صاف کہ دو کریم ہے تھا رے رب کی طرف سے، اب جس کا جی چاہے مان لے اور جس کا جی چاہے انکار کر

ہے وہ مذکوری دام آدمی ہے اور نہ اس کا حمیس ہونا اور شیخ چوتا ہی اہمیت رکھتا ہے۔ آج اگر کوئی شخص شیخ ہے تو کل اس کی مشخصت ختم ہو جاتی ہے، اور اگر آج کوئی ریس ہے تو کل اس کی ریاست ختم ہو جاتی ہے اور یہی کم جیشیت، نادار اور خستہ حال لوگ ادا کا تختہ اُکٹ دیں گے۔ اس لیے فرمایا گیا کہ مطہن ہو جاؤ ان لوگوں کی سیاست پر

جو تمہارے ساتھ آگئے ہیں اور ان سے نکالیں نہ پھیرو۔

● بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ان خستہ حال مهاجرین کو دیکھا کہ وہ بڑی محبت سے قرآن کر رہے ہیں تو اپنے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے، اس نے میرے ساتھ وہ لوگ کر دیے ہیں جن کی معیت پر مجھے مطہن رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دوسرے الفاظ میں حضور نے اس شکر ادا کیا کہ ایسے لوگوں نے دین قبول کر لیا ہے جن کے اندر اتنی بلند حوصلکی اور کوارکی پختگی موجود ہے کہ دین کی خاطر اپنا گھر بار، یاں بچے اور مال و دولت سب کچھ چھوڑ کر نکل آئے۔

پھر بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مهاجرین کو یہ خوبخبری سنائی کہ قیامت کے روز تمہیں مکمل نور حاصل ہو گا اور تم جنت میں دولت مندوں سے آدھے دن پہلے داخل ہو گے۔ اس طرح حضور نے انھیں اس بات کی تسلی دی کہ خدا کے دین کی خاطر تم نے جس طرح تکلیفیں اور ضعیتیں برداشت کی ہیں، خطرات انکیز کیے ہیں اور غریب و تنکہستی کی زندگی کو اپنے گھروں کے عیش و آرام پر ترجیح دی ہے ان کے بدیلے میں اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے روز مکمل نور عطا کرے گا اور تم دولت مندوں سے آدھے دن پہلے جنت میں داخل ہو گے۔ اس آدھے دن کے متعلق یہ وضاحت فرمائی کہ قیامت کا آدھا دن اس دنیا کے پانچ سو سال کے برابر ہو گا۔

اس چیز کے متعلق تعبیت سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ وہاں کے آدھے دن سے، اور اس کے پانچ سو سال کے برابر ہونے سے کیا مراد ہے۔ حضور نے یہ بات فہرنشیں کرانے کے لیے کہ سہرت میں زمانے کا معیار اس دنیا سے مختلف ہو گا، مختلف

موقع پر مختلف مقداریں بیان فرمائی ہیں۔ اس لیے اس معاملے میں بلا وجہ کھوچ کرید کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ بات آخرت میں ہی کھلے گی کہ دہاں زمان و مکان کا مفہوم کیا ہے اور اس کے بیان کیا ہے۔

۳۳- قرآن خوش آوازی سے پڑھو

عَنْ أَبْرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : تَرَيْنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ
(رَوَاهُ أَحْمَدُ وَابْوُ دَاؤْدَ وَابْنُ مَاجْدَ وَالْدَارِمِيُّ)

حضرات براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن مجید کو اپنی (اچھی) آوازوں سے مخزن کرو۔ (احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ، دارمی)

مراد یہ ہے کہ قرآن مجید کو حتیٰ الامكان اچھے لمحے سے اور خوش آوازی سے پڑھنا چاہئے۔ ایسے پے ڈھنگے طریقے سے نہیں پڑھنا چاہئے کہوں اس کی طرف کھینچنے کے سچھائے اس سے اور زیادہ فور جاؤں۔ جیسا کہ ایک فارسی شاعر نے کہا ہے۔
گر تو قرآن بربیں نمط خوالی
بسُریِ روفیقِ مسلمی (حسنی)

۳۴- قرآن کو پڑھ کر بھلا دینا بہت بڑی محرومی ہے

عَنْ سَعْدِ بْنِ عُبَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا مِنْ أُمِّرٍ يُقْرَأُ الْقُرْآنَ ثُمَّ يَنْسَاهُ إِلَّا لِقَاءُ اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَجْنَمَ
(رَوَاهُ أَبُو دَاؤْدَ وَالْدَارِمِيُّ)

حضرت سعد بن عبادۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- جو شخص قرآن مجید کو پڑھتا ہے اور کچھ راستے پڑھتا ہے وہ قیامت کے روز اس حالت میں اُٹھے گا کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو گا۔

(ابداؤ دارمی)

محمدین نے وضاحت کی ہے کہ اس حدیث میں ہاتھ کے کٹھے ہونے سے مراد جسمی طور پر کٹا ہونا نہیں ہے بلکہ یہ بات محاورہ کی گئی ہے اور اس سے مراد کال بنتے ہے۔ مثلاً جب آپ اور وزبان میں کہتے ہیں کہ ”فلاں آدمی کے ہاتھوں کے طوٹے اڑ کر“ تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتا کہ حقیقی ہاتھوں کے طوٹے ہوتے ہیں جو اُڑ جاتے ہیں، بلکہ جب آدمی کال درجہ بارہ اس ہوتا ہے تو اس کی اس حالت کو بیان کرنے کے لیے بطور محاورہ یہ کہا جاتا ہے کہ اس کے ہاتھوں کے طوٹے اڑ گئے۔ اسی طرح عربی زبان میں کسی شخص کی بے بسی کی کیفیت کو فلاہر کرنے کے لیے یہ کہا جاتا ہے کہ اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہے۔ اس سے پہلے ایک حدیث میں یہ الفاظ آئے تھے کہ ﴿الْقُرْآنُ مُحَجَّةٌ لِكَ أَوْ عَلَيْكَ﴾: ”یعنی قرآن یا تیرے حق میں چحت ہے یا تیرے خلاف چحت ہے۔“ اب اگر ایک شخص ایمان رکھتا تھا اور اسی وجہ سے اس نے قرآن پڑھا یا کن پڑھنے کے بعد اسے بھلا دیا تو سوال یہ ہے کہ اس کے پاس وہ چحت کوئی ہے جسے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میش کرے گا۔ قرآن کو بھلا دینے کے بعد تو اس کی چحت منقطع ہو گئی۔ اب اس کے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے وہ اپنی صفائی میں پیش کر سکے۔ یہ وہ بے بسی کی کیفیت ہے جس میں قیامت کے روز وہ بتلا ہو گا اور اسی کے متعلق یہ بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے روز اس کا ہاتھ کٹا ہوا ہو گا۔

۵۳۔ تین دن سے کم میں قرآن ختم نہ کرو

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ أَبْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لَمْ يَفْقَهْ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فِي أَقْلَى مِنْ ثَلَاثَةِ - (رِوَاةُ التَّرمِيدِ وَأَبُو دَاؤْدَ وَالْتَّارِمِيُّ)

حضرت عبد اللہ بن عمر بن حاص (رضی اللہ عنہما) روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اس شخص نے قرآن کو نہیں سمجھا، جس نے اسے تین شب دروز سے کم میں پڑھا۔

(ترمذی - ابو داؤد - دار می)

مطلوب یہ ہے کہ اگر آدمی اس زمان سے پڑھ سے کہ تین دن سے کم میں پورا قرآن پڑھ دے تو اس روایوی کے عالم میں وہ قرآن کو کیا سمجھو سکے گا۔ اس لیے حضورؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ قرآن کم از کم تین شب دروز میں ختم کرو۔ اس سے زیادہ دنوں میں ختم کرو تو ہمارے بیکن اس سے کم میں نہ کرو، کیونکہ اگر ایک آدمی روزانہ دس پارے کے درست سے بھی تیز پڑھتے تو اس صورت میں وہ کچھ نہیں سمجھو سکے گا۔

۵۴۔ علائیہ اور چیپا کر قرآن پڑھنے کی مثال

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَجْعَاهُرُ بِالْقُرْآنِ كَالْجَاهِرِ بِالصَّدَقَةِ وَالْمُسِرِ بِالْقُرْآنِ كَالْمُسِرِ بِالصَّدَقَةِ -

(رِوَاةُ التَّرمِيدِ وَأَبُو دَاؤْدَ وَالْتَّسَابِيُّ)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل

کرتے ہیں کہ جو شخص آواز بلند قرآن مجید پڑھتا ہے وہ اس شخص کے ماننے ہے جو علائیہ صدقہ دیتا ہے اور جو شخص آہستہ آہستہ آواز میں قرآن مجید پڑھتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو چھپا کر صدقہ دیتا ہے۔ (ترمذی۔ ابوداؤ۔ شالی) مرا اسی پسکے کہ قدکورہ دونوں طریقوں سے قرآن مجید پڑھنے کا ثواب بھی ہے اور فائدہ بھی ہیں۔

اگر ایک آدمی علائیہ صدقہ دے تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ دوسرا لوگ بھی صدقہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اور ان کے دلوں میں بھی یہ خواہش پیدا ہوتی ہے کہ وہ تھدا کی راہ میں صدقہ و خیرات کریں۔ اس کے بعد اس ایک شخص چھپا کر صدقہ دے تو اس کے اندر اخلاص کی کیفیت راسخ ہوتی ہے اور وہ ریا کاری سے محفوظ رہتا ہے۔ ایسا ہی معاملہ قرآن مجید کے چھپا کر آہستہ آہستہ آواز سے پڑھنے اور بلند آواز سے پڑھنے کا ہے۔ بلند آواز سے پڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ خلق خدا تک قرآن کی تعلیم چھپتی ہے اور لوگوں میں اس کے پڑھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس آہستہ آہستہ سے چھپا کر پڑھنے کا یہ فائدہ ہے کہ اس طرح آدمی قرآن پورے اخلاص کے ساتھ، بغیر کسی ریا کے، اللہ کو نوش کرنے سے جذبے سے پڑھتا ہے اور اس میں کسی دوسرے جذبے کی آسیزش نہیں ہونے پاتی۔

ب۔ قرآن پرایمان کس کا معتبر ہے

عَنْ صَهِيبِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَا أَهْنَ بِالْقُرْآنِ مِنْ اسْتَحْلَالٍ بِحَلَامِهِ
(رَوَاهُ التَّرمِذِيُّ وَعَالَهُ اَحْدَادِ حِدْيَةٍ لِيَسْ إِسْنَادُهُ بِالْقَوْيِ)

حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم تفہم کیا:- وَهُنَّ أَعْنَاسٌ قُرْآنَ پِرْ إِيمَانٌ نَّهِيْنَ لَا يَأْتِيْنَ لَهُ اسْكُنْدَرَ مَكَّةَ

ہوں چیزوں کو حلال کر دیا۔ (ترمذی)

قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ایمان لانا اور قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کرنا،
دونوں چیزوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتیں۔ ایک شخص کے قرآن کو مانتے اور
اُسے پڑھنے کا کیا فائدہ اگر وہ قرآن کی حرام کردہ چیزوں کو اپنے یہے حلال کر لے
اور اس کی پوری زندگی سے اس بات کی کوئی شہادت نہ لے کہ اُس نے واقعی قرآن
کو اللہ کی کتاب ہدایت مانے ہے۔ قرآن ایک ایسی کتاب ہدایت ہے
جو انسان سے بعض چیزوں کے اختیار کرنے کا مطالبہ کرتی ہے اور بعض کو اس
سے چھڑوانا چاہتا ہے۔ اس پر ایمان لانے کے بعد بھی اگر ایک آدمی کی زندگی میں
کوئی صالح تغیرت پیدا نہیں ہوتا اور نہ اس کا کوئی صحیح رُخ تعمیں ہوتا ہے تو اس کا ایمان
لانا، نہ لانا و دونوں برایہ ہیں۔

۳۸-نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز قراءت

عَنِ الْيَتِبِ بْنِ سَعْدٍ عَنِ ابْنِ أَبِي مُلِيْكَةَ عَنْ يَعْلَى
بْنِ مَهْمَلَكَ أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا هِيَ تَنَعَّمَتْ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْقَافَرْفَاً.
(رواۃ الترمذی وابن داؤد و الشافعی)

حضرت یہیث (ابن سعد، ابن الی ملیک) سے اور یعلی (بن ملک) سے روایت
کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت اُم سلمہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم قرآن کس طرح پڑھا کرتے تھے۔ اس پر حضرت اُم سلمہؓ نے خود
اس طرح سے قرآن پڑھ کر سنایا کہ جس سے ایک ایک حرف الگ الگ

سُنْتَهُ مِنْ آتِيَ - (ترمذی، ابوداؤ، ناسی) مراد یہ ہے حضور قرآن بہت تیر نہیں پڑھا کرتے تھے بلکہ اس طرح آدم سے پڑھتے تھے کہ سُنْتَهُ وَالا إِيَّاكَ حَرْفٌ صَافٌ دَافٌ سُنْ سکے۔ اگلی حدیث میں اس کی مزید تشریح آتی ہے۔

۳۹۔ عَدَ ابْنُ حُرَيْجٍ عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَظِّمُ قِرَاءَتَهُ يَقُولُ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ثُمَّ يَقِنْفُ، ثُمَّ يَقُولُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ثُمَّ يَقِنْفُ -

(بَداَةُ التَّرْمِيدِيِّ وَقَالَ لِيْسَ إِسْنَادُهُ بِمُتَّصِّلٍ... وَحَدِيثُ الْيَتِّ أَصْحَحُ)

حضرت ابن حجر عسکر ابن أبي مکیہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن پڑھنے کا اعلیٰ یقین پڑھا تو انہوں نے فرمایا کہ حضور مکمل طکیلے کر کے پڑھا کرتے تھے (یعنی ایک ایک فقرے کو الگ الگ کر کے پڑھتے تھے)۔ آپ آپَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ پڑھتے تھے پھر مظہر تھے، پھر أَللَّاهُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ پڑھتے تھے اور پھر توقف فرماتے تھے۔ (ترمذی)

یہاں یہ بات مزید وضاحت کے ساتھ بتائی گئی ہے کہ حضور قرآن مجید جلدی جلدی نہیں پڑھتے تھے۔ ایسا نہیں تھا کہ ایک ہی سانس میں الْحَمْدُ لِلَّهِ سے وَلَا الْعَذَابَ لِلَّهِ تک پڑھ دالیں، بلکہ آپ ایک ایک فقرے پر مظہر تھے تھے۔

۵۵۔ کچھ لوگ قرآن کو وسیلہ دنیا بنالیں گے

عَنْ جَابِرٍ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ نَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَفِينَا الْعَرَبِيُّ
وَالْأَرْجَنْيُ، فَقَالَ أَقْرَأْهُ أَفْكُلْهُ حَسْنٌ وَسَيِّدٌ وَأَقْوَادٌ يُقْرِئُونَهُ
كَمَا يُقَارِمُ الْقُدْحَ، يَتَعَجَّلُونَهُ وَلَا يَتَأْجِلُونَهُ۔

(دریاء ابی داؤد والیہ محقق)

حضرت جابر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خانہ مبارک سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم لوگ اس وقت (بیٹھے ہوئے) قرآن پڑھ رہے تھے، اور ہم میں سے کوئی عربی تھا اور کوئی بھی۔ حضور نے ہمیں قرآن پڑھتے سنا تو فرمایا۔ ”پڑھتے جاؤ، سب اپنی طرح پڑھ رہے ہیں۔ عنقریب کچھ لوگ ایسے آئیں گے جو اگر قرآن کو خوب سنت کے ساتھ اس انداز سے پڑھیں گے جیسے تیر کو سیدھا کیا جاتا ہے لیکن اس سے ان کی غرض دنیوی فائدے ہوں گے، آخرت ان کا مقصود نہیں ہوگی۔ (ابو داؤد، یہ محقق)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس بیان سے کہ ہم میں سے کوئی عربی تھا اور کوئی بھی، اور حضور نے ہم سب سے فرمایا کہ پڑھتے جاؤ، سب بھیک اور نسلوں کے لوگ تھے اس لیے ان کے قرآن پڑھتے کا انداز کبھی جدیداً تھا لیکن حضور نے ان سب کی تحسین فرمائی۔ — ظاہر بات ہے کہ ان میں سے ہر آدمی قرآن کو بالکل صحیح طریقے سے، صحیح خارج اور صحیح طرز ادا کے ساتھ پڑھنے

و الا نہیں ہو سکتا تھا۔ بعض کی زبان یا بحجه میں کوئی فطری خامی بھی ہو سکتی تھی اس لیے ان کے قرآن پڑھنے کے لبجھ اور اندازوں میں اختلاف کا پایا جاتا فطری تھا لیکن حضور نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ پڑھنے جاؤ تم سب اپنی طرح پڑھ رہے ہو۔ مراد یہ تھی کہ چونکہ تم خلوص نیت کے ساتھ قرآن کو بھگ کر پڑھ رہے ہو اور اس کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کرنے کا غرض رکھتے ہو اس لیے تم صحیح معنوں میں قرآن کو پڑھنے کا حق ادا کر رہے ہو، قطعی نظر اس کے کم تجوید کافی جانتے ہو یا نہیں اور اسے قراءت کے اصولوں کے مطابق پڑھ رہے ہو یا نہیں۔ ————— آیہ وقت آئے گا جب قرآن کو پڑھا تو جائے گا مبڑی ریاضت و مشق اور سخت مخارج کے الہام کے ساتھ، بالکل اس طرح جیسے تیریہ ہا کیا جاتا ہے، لیکن اس سے لوگوں کا مقصد دنیا ہو گی، آخر نہیں ہو گی۔ اس لیے وہ پڑھنا آخرت میں کسی کا منہم نہیں آتے گا۔ اللہ تعالیٰ یہ پڑھنا بڑا قابلِ قادر ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور پسندیدہ ہے۔

اللہ۔ قرآن کو گوئیں اور بین کرنے والیوں کی طرح نہ پڑھو

عَزُّ مَحَلْ يُفَرَّةَ قَالَ قَالَ سَرْسُقُلْ اَللَّهُ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَقْرُأْ وَالْقُرْآنَ بِالْحُوْنِ الْعَرَبِ وَأَصْوَاتِهَا
وَقِيَّاً كَمْدَ وَلَحْوَنَ أَهْلِ الْعِشْقِ وَلَحْوَنَ أَهْلِ الْكِتَابَيْنِ
وَسَيِّئَجُيْ بَعْدِنِيْ قَوْمٌ يُرِجُّهُونَ بِالْقُرْآنِ تَرْبِيْعَ الْغَنَاءِ
وَالنَّوْحَ، لَأَيْجَاهِ رُحَنَاحِرَهُمْ مَفْتُوْنَةً قَلْوَبَهُمْ وَ
قَلْوَبُ الَّذِينَ يَعْجِبُهُمْ شَانَهُمْ۔

(رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعُبِ الْإِيمَانِ وَذَرْنِيُّ فِي كِتَابِ)

حضرت محدث الفہرستیؒ نبی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سلی اللہ علیہ وسلم

نے ارشاد فرمایا، قرآن کو عربی لمحے اور عربی آوازوں میں پڑھو اور دیکھو
خبردار! اہل عشق اور اہل کتابیں (یہود و نصاری) کے سے لمحے اختیار
نہ کرو، اور عنقریب میرے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن کو کاگا کر رہا
زوح کے انداز میں پڑھیں گے۔ قرآن اُن کے ملن سے شچے نہیں اُترے
گا۔ دل ان کے بھی فتنے میں پڑے ہوں گے اور ان لوگوں کے بھی، جو ان کے
طرز اور اکوپنڈ کرنے والے ہوں گے۔ (بیہقی، ترمذین)

قرآن عربی لمحے اور عربی آوازوں میں پڑھنے کی تاکید فرمانے کا یہ طلب
نہیں ہے کہ غیر عرب بھی قرآن کو عربی لمحے میں اور عربیوں کی سی آوازوں میں پڑھیں۔
 بلکہ مراد یہ ہے کہ قرآن کو ایسے سادہ اور فطری طریق سے پڑھا جائے جس طرح ایک
عرب پڑھتا ہے۔ ایک عرب جب قرآن مجید کو پڑھے گا تو وہ اسے اس طرح
پڑھے گا جیسے ہم اپنی زبان میں کسی کتاب کو پڑھتے ہیں۔ جب آپ اُردو زبان
کی کوئی کتاب پڑھ رہے ہوں تو غالباً ہر بات ہے کہ آپ بنا بنا کر اور کاگا کر نہیں
پڑھتے بلکہ اس طرح پڑھتے ہیں جس طرح کوئی آدمی اپنی مادری زبان کی کسی کتاب
کو پڑھتا ہے۔ اس سے پہلے حضور کا یہ ارشاد گزرا ہے کہ قرآن کو اپنی بچھتی
آوازوں سے مرتzin کرو۔ معلوم ہوا کہ اپنی آواز کے صاف پڑھنا اور اہل عرب سے
سید سے سادھے طریقے سے پڑھنا و فون ایک ہی ہیز ہیں، کیونکہ سادھے طریقے سے
پڑھنے کا مفہوم نہیں ہے کہ آدنی بے ڈینگکے پن۔ اور ناگوار آواز سے پڑھتے۔
اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ خبردار قرآن کو اہل عشق کے سے لمحے میں
مت پڑھو۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح عشق باز لوگ غزلیں کاتے ہیں اس طرح
قرآن کو کاگا کرنا پڑھو۔

اس کے بعد فرمایا کہ عنقریب وہ لوگ آئیں گے جو قرآن کو کاگا کر اور سورتوں

کے بین کرنے کے انداز میں پڑھیں گے۔ بفالا ہر وہ اسے بڑے ذوق و شوق اور محنت و ریاضت کے ساتھ پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا اور ان کے دلوں تک اس کی رسائی نہیں ہو گی۔ پھر ہر یہ نہیں بلکہ دل ان پڑھنے والوں کے بھی فتنے میں ہوں گے۔ اور ان کے بھی جوان کے اس پڑھنے کو شن کر جھوہ میں گے اور داد و تحبیں کے ڈوٹکرے بر سائیں گے۔

حضرت اس طرح کے پڑھنے والوں اور اس پرسروٹنے والوں کو یہ تدبیسہ اس یہے فرمائی گئی قرآن کریم شاعری نہیں ہے جسے لوگ محض الطف انزوی کے لیے پڑھیں اور وہ وا اور مرحبا کا شور بلند کریں جیسے کہ اب ہمارے ہاں قراءت توں کی مخلوقوں میں ہو فریکا ہے۔ بعض اوقات تو ان مخلوقوں میں شاعرے کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ فتنے سے خالی نہیں۔

۵۲۔ نوش آوازی قرآن کے حسن میں اضافہ کرتی ہے

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَاصِمٍ بْنِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ، حَسِّنُوا الْقُرْآنَ يَأْصُوْحُ فَإِنَّ الصَّوْتَ الْحَسَنَ يَرِيدُ الْقُرْآنَ حُسْنَنَا. (رواہ الداری)

حضرت براء بن عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ملتا ہے: قرآن کو اپنی (اچھی) آواز دل کے ذریعے خوبی بناؤ کیونکہ اچھی آواز قرآن کے حسن میں اضافہ کرتی ہے۔ (داری)

اب تک سلسلی حدیثیں آئی ہیں جن میں سے اگر ایک میں قرآن کو گا کر پڑھنے سے روکا گیا ہے تو دوسرا میں اسے اچھی آواز سے پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ گا کر پڑھنے میں اور نوش آوازی سے پڑھنے میں فرق ہے۔ اور اسی فرق

کی بناء پر ایک چیز ناپسندیدہ ہے اور ووسری پسندیدہ۔

۵۳- حُسْنِ قراءت کا مفہوم کیا ہے

عَنْ طَائِقِ مُرْسَلٌ قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَّا النَّاسُ أَحْسَنُ مَا مَوْقَاتُ الْقُرْآنِ وَأَحْسَنُ قَرْاءَةً، قَالَ مَنْ إِذَا سَمِعَتْهُ يَقْرَأُهُ أُولَئِكَ أَنَّهُمْ يَخْشَى اللَّهَ، قَالَ طَائِقٌ مَّنْ ذَكَانَ طَلْقًا كَذَلِكَ (رَوَاهُ الدَّارِمِيُّ)

حضرت طاؤںؓ سے مسلم روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھنا گیا، کون شخص قرآن کو اچھی آواز سے اور اچھے طریقے سے پڑھنے والا ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا: وہ شخص کہ جب تم اسے پڑھتے ہوئے سُوتُر تھیں ایسا معلم جو کہ وہ اشد سے ڈر رہا ہے۔

حضرت طاؤںؓ کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہدا یے ہیں خوش آواز اور ردانی سے پڑھنے والے تھے۔ (دارمی)

اس روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش آوازی سے قرآن پڑھنے کے مفہوم کو نہایت عمدگل سے واضح فرمادیا ہے۔ — جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کو خوش آوازی سے پڑھو لیکن غناہ کرو تو لوگوں نے حضورؐ سے عرض کیا کہ پھر خوش آوازی سے کیا مراد ہے؟ اس پر حضورؐ نے یہ تشریح فرمائی کہ قرآن کو اس آواز سے پڑھو جس سے سنتے والا یہ محروم کرے کہ تم خدا سے ڈر رہے ہو۔

له حضرت طاؤںؓ صحابی ہمیں تھے کہ انہوں نے خود حضورؐ سے یہ بات سنی ہے بلکہ انہوں نے کسی صحابی سے ٹھنڈی کیا ہے لیکن اس صحابی کا نام بیان نہیں کیا۔ ایسی روایت کو صرسل روایت کہتے ہیں۔

جب ایک آدمی حضور قلب کے بغیر اور خدا سے غافل ہو کر قرآن پڑھتا ہے تو اس کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے اور جب وہ اسے اپنی طرح سمجھد کر اور خدا سے ڈرتے ہوئے پڑھتا ہے تو اس کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے۔ وہ ایک چیز کا اثر قبول کرتا ہے اور اس کے طرز اوسے اور رب واجہ سے اس کی ان باطنی کیفیتوں کا اظہار ہوتا ہے۔

۳-۵- قرآن کو اخروی فلاح کا ذریعہ بناؤ

عَنْ عَبْدِ اللَّهِ الْمُكَيْكِيِّ وَكَانَتْ لَهُ صُحُبَةٌ قَالَ
قَالَ مَرْسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ
لَا تَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ وَاتْلُوهُ حَقًّا تِلَاوَتَهُ مِنْ أَذْنَاءِ
اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَأَفْشُوهُ وَتَغْنُوا وَتَدْبِرُ وَامْأَفِيهِ
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ وَلَا تَعِسْلُوا أَشْوَابَهُ فَإِنَّ لَهُ تَوَابًا.
(رَوَاهُ الْبَيْهِقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)

حضرت عبد اللہ المکیکیؓ جو ایک صحابیؓ ہیں، بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- اسے اہل قرآن (مراد ہے قرآن پڑھنے والوں) قرآن کو تکمیلہ مدت بنا لو بلکہ اس کی تلاوت کرو جس طرح کہ اس کی تلاوت کرنے کا حق ہے، رات اور دن کے اوقات میں، اور اسے علائیہ خوش آواز کی کے ساتھ پڑھو، اور جو کچھ مہمنا میں اس میں ہیں ان پر خور کرو، امید ہے تمہیں فلاح نصیب ہوگی، اور اس کا ثواب جلدی حاصل کرنے کی کوشش کرو، کیونکہ (آخرت میں) اس کا ثواب لاذما ہے۔ (صحیح)

فرمایا کہ قرآن کو تکمیلہ نہ بنالو۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرآن کو تکمیل کی جگہ رکھ کر نہ سیا کرو بلکہ اس کا یقیناً بعد کے فقرے سے سامنے آتا ہے کہ قرآن سے غفلت نہ برتو۔ صبح و شام اس کی تلاوت کرو۔ اس کا ذکر عام کرو اور اس کے مضموم میں خود فکر کرو۔ یہ حال نہ ہو کہ قرآن آپ کے پاس موجود ہو بیکن آپ غفلت میں پڑے رہیں اور کسی نظر اٹھا کر بھی اس کی طرف نہ دیکھیں اور اس سے رہنمائی حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں۔

پھر فرمایا کہ قرآن کا ثواب جلدی سے (یعنی اس دنیا میں) حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو، اگرچہ اس کا ثواب یقیناً ہے۔ مراد یہ ہے کہ چاہے اس دنیا میں اس کا ثواب نہیں ملے لیکن اس کا ثواب بہر حال ہے جو آخرت میں لا زماً ملنا ہے۔ دنیا میں بھی اگرچہ اس کا ثواب کبھی نہ سمجھی طے ہے لیکن تم اسے دنیوی ثواب کی خاطر نہ پڑھو بلکہ اخزوی ثواب کی خاطر پڑھو۔ دنیا میں تو قرآن کی وجہ سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمھیں دشمنان دین کی سختیوں کا نشانہ بننا پڑے لیکن آخرت میں یہ تمحارے لیے بہترین توشیث است چوگا اور فہاں کا اجر ضائع نہیں ہو سکتا۔

۵۵۔ ایذا میں قرآن مقامی امداد کے مطابق پڑھنے کی اجازت تھی

عَرَبُ عُمَرِبْنِ الْخَطَّابِ قَالَ سَمِعْتُ هِشَامَ بْنَ حَكَمَ بْنِ حِزَامٍ يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانَ عَلَى عِبَرَمَا أَقْرَأَهَا وَكَانَ سَوْلَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْرَأَنَهَا فَكَلَّتْ أَنْ أَجْعَلَ عَلَيْهِ ثُمَّ أَمْهَلَتْهُ حَتَّى أَنْهَرَفَ ثُمَّ كَبَّتْهُ بِرِدَائِهِ فَحَمَّتْ بِهِ سُوْلَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَقْلَتْ يَا سَوْلَ اللَّهِ

إِنِّي سَمِعْتُ هَذَا يَقْرَأُ سُورَةَ الْفُرْقَانَ عَلَى غَيْرِهِ أَقْرَأْتَنِيهَا فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْسَلْتُهُ إِقْرَاءً فَقَرَأَ الْقِرَاءَةَ الَّتِي سَمِعْتُهُ يَقْرَأُهُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : هَذَا انْزِلْتَ ثُمَّ قَالَ لِي إِقْرَأْ فَقَرَأَتُ فَقَالَ هَذَا انْزِلْتَ ، إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ آخْرُفٍ فَاقْرَأْ فَا-

مَاتَيْسَرَ مِنْهُ . (مُتَقَدِّمٌ عَلَيْهِ وَاللَّفْظُ لِسُلَيْمَان)

حضرت عمر رضي الله تعالى عنه بیان فرماتے ہیں کہ (ایک روز) میں نے حضرت ہشام بن حکیم بن حمزہ ام کو سورہ فرقان اُس سے مختلف طریقے پر پڑھتے تھا جس سے میں پڑھتا تھا، حالانکہ سورہ فرقان مجھے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھائی تھی۔ رب تھا کہ میں بے تابی سے اُن پر بچھٹ پڑتا لیکن پھر میں نے داسبر یا اور (انھیں مہلت دی) یہاں تک کہ انھیں نے اپنی قرأت مکمل کر لی۔ پھر میں نے اُن کی چار پیکڑی اور انھیں کھینچتا ہو ارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سے گیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ان کو سورہ فرقان اُس سے مختلف طریقے پر پڑھتے تھا ہے جس پر کہ آپ نے پڑھائی تھی ۔۔۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انھیں چھوڑ دو۔ پھر حضرت ہشام سے فرمایا کہ تم پڑھو۔ پنا پچھا انھوں نے سورہ فرقان اسی طرح پڑھی جس طرح کہ میں نے اُن کو پڑھتے تھا ۔۔۔ اُن کی قرأت من کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح اتری ہے۔

پھر حضور نے مجھ سے فرمایا کہ تم پڑھو۔ پھر اچھے میں نے (اپنے طریقے پر) پڑھی تو آپ نے فرمایا کہ اسی طرح اُترنی ہے ۔ — پھر مزید فرمایا کہ یہ قرآن سات عروں پر اُترائے، اس لیے جس طرح کوlut ہوا سی طرح پڑھو۔ (متفق علیہ)

سات عروں سے مراد سات تلفظ یا صفات بھی ہیں۔ عربی زبان میں اختلافِ اتجاهات ایک محدود پھیزہ ہے۔ عرب کے مختلف قبائل اور مختلف علاقوں کی زبان میں خاصاً اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس اختلاف کی نوعیت ایسی نہیں ہے کہ اس سے زبان کے اندر کوئی بنیادی تغیر رونما ہو جاتا ہو۔ مقامی تلفظات، اتجاهات، محاورات اور زبان کے بعض دوسرے اسالیب کے اختلاف کے باوجود زبان کا بنیادی ساچہ ایک ہی ہے۔ زبان کے مقامی رنگ اور اختلافات کا مشاہدہ آپ ہمہ بھی کرتے ہیں۔ مثلاً آپ پنجاب کے مختلف حصوں میں جائیں تو آپ دیکھیں کہ کہ ہر ضلع کی، اور بعض اوقات ایک ہی ضلع کے مختلف حصوں کی، زبان مختلف ہے۔ یہی حال اردو کا بھی ہے۔ پشاور سے لے کر مدراں تک چلے جائیے، اردو بولنے والوں میں ایک ہی مضمون کو ادا کرنے کے لیے مختلف بھجے، مختلف تلفظ اور مختلف محاورے ملئے ہیں۔ ”دہلی والوں اور لکھنؤ والوں کی زبان“، تو آپ کہتے ہی ہیں۔ اسی طرح سید ر آباد (دکن) اور پنجاب والوں کی اردو ہے۔ ایک ہی مضمون کو ادا کرنے کے لیے مختلف علاقوں کے لوگ مختلف اسالیب اختیار کرتے ہیں ۔۔۔ یہی پھیزہ نزول قرآن کے وقت عرب میں بھی تھی اور آج بھی پائی جاتی ہے۔ عرب میں آپ میں سے نے کریشام تک چلے جائیں، آپ کو بھے اور تلفظ بدلتے

ہوئے لیں گے۔ ایک ہم مضمون کو عرب کے ایک حصے میں کسی اور طرح ادا کرتے ہیں اور دوسرا حصے میں کسی اور طرح، لیکن اس اختلاف کے باوجود معنی میں کوئی فرقِ داقع نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس حدیث میں سات حروف سے مراسیِ لمحات اور اسالیب وغیرہ کا اختلاف ہے۔ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن مجید اگرچہ قریش کی زبان میں نازل ہوا ہے لیکن اہل عرب کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ وہ اسے اپنے مقامی لمحات اور تلفظات کے ساتھ بھی پڑھ سکیں۔ کیونکہ ایک عرب جب قرآن مجید کو پڑھنے کا تر زبان کے مقامی اختلافات کے باوجود اس میں کوئی ایسا رد و بدل نہیں ہو گا جس سے مخفی اور غیر مبتدىء ہو جائیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ حرام حلال ہو جائے یا حلال حرام ہو جائے۔ یا توحید کا مضمون ہو اور وہ مشرکانہ زبان میں ادا کر دیا جائے۔ یہ اجازت صرف اُس زمانے تک تھی جب قرآن ابھی عرب سے باہر نہیں نکلا تھا اور اس کو پڑھنے والے صرف عرب ہی تھے لیکن بعد میں یہ اجازت اور سہولت ختم کر دی گئی۔

اس بات کو بھی سمجھو بیجھے کہ مختلف لمحات کے ساتھ قرآن پڑھنے کی اجازت کیوں دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن کی اشاعت اس زمانے میں تحریری شکل میں نہیں ہو رہی تھی، عرب کے لوگ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے اور معلوم ہے کہ نزول قرآن کے وقت صرف گفتگی کے پڑھنے لکھنے لوگ ملتے تھے۔ عربوں میں لکھنے پڑھنے کا جو کچھ درواج ہوا وہ اسلام کے بعد ہی ہو گا۔ چنانچہ اس زمانے میں لوگ قرآن زبانی سنتے اور یاد کرتے تھے۔ پھر چونکہ ان کی مادری زبان عربی تھی اس لیے انھیں قرآن کریا دکرنے اور یاد رکھنے میں نیا وہ وقت پیش نہیں آتی تھی۔ لیکن عرب جب قرآن سننا شروع کروے اس کا پورا مضمون یاد ہو

جانا تھا۔ اس کے بعد جب وہ جا کر دوسرے لوگوں سے بیان کرتا تھا تو زبان کے مقامی اختلافات کے بذب سے اس کے بیان میں بعض جگہ لفظی روایتی ہو جاتا تھا لیکن اس سے نفس مضمون میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا تھا، کیونکہ اس قوم کے مخادرے کے مطابق وہ بات اس طرح ہوتی تھی جس طرح وہ ادا کرتا تھا یہی وجہ تھی کہ اس زمانے میں یہ گنجائش دھمی گئی کہ اہل عرب اپنے مقامی لہجات و تلفظات کے مطابق قرآن پڑھ سکیں۔

پیش نظر حدیث میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پونکہ یہ سمجھا کہ جس طرح انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مُناہتا اسی طرح ہر آدمی کو پڑھنا پا جائیے اس لیے جب انہوں نے حضرت ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس سے مختلف طریقے سے قرآن پڑھتے مُناہتا وہ فرمایا کہ جتنی دیگر کاف وہ پڑھتے رہے یہ اپنی جگہ مضطرب رہے۔ اور ہر وہ فارغ ہوئے اور ادھر انہوں نے ان کی چادر کھینچی اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے گئے۔

اب یہ دیکھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج میں کس قدر گمل اور برباری تھی۔ آپ نے بڑے سکون کے ساتھ ان کی بات سُنی اور کھراں کو نہایت حکمت سے سمجھا دیا کہ میاں تم وہ نوں جس طریقے سے پڑھتے ہو وہ صحیح ہیں، اللہ تعالیٰ نے دونوں طرح پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

۵۶- دین میں اختلاف کے حدود و آداب

عَنْ أَبْنِي مَسْعُودٍ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا قَرَأَ
وَسَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ إِخْلَاقَهُ
فَعَنِتْ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْرَتْهُ
لَعْرَفَتْ فِي وَجْهِهِ الْكَرَاهِيَّةَ فَقَالَ كَلَّا كَمَا مُحِسِّنٌ

۱۱۹

فَلَا تَخْتَلِفُوا فَإِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ إِخْتَلَفُوا فَهُنَّا كُلُّهُمْ
 (در فاتح البخاری)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن پڑھتے ہوئے سننا اور اس سے پہلے میں نے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مختلف طریقے سے پڑھتے سننا تھا۔ میں اسے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آیا اور حضورؐ کو اس بات کی خبر دی دکہ یہ شخص ایک مختلف طریقے سے قرآن پڑھتا ہے۔ میں نے محسوس کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات ناگوارگز رہی ہے۔ (میری بات سن کر) آپ نے فرمایا: تم دونوں ہی تھیک طرح پڑھتے ہو، آپس میں اختلاف نہ کرو کیونکہ تم سے پہلے جو تو میں ہلاک ہوئیں وہ اختلاف ہی کی وجہ سے ہلاک ہوئیں۔ (بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب ابن مسعود رضی کو یہ بات سمجھائی کہ اگر اختلاف اس زعیمت کا ہو کہ اس سے اصل تعلیم یا اصل حکم نہ بدلتا ہو تو اس طرح کے اختلاف کو برداشت کرنا چاہیے۔ اگر برداشت نہ کرو گے تو آپس میں سرخپتوں کرو گے۔ اس طرح احتہت میں افتراق اور فتنے کا دروازہ کھٹے گا۔ — البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ جہاں اصل دین یاد ہیں کا کوئی حکم تبدیل ہو رہا ہو وہاں اختلاف نہ کرنا گناہ ہو جاتا ہے، ہیکنہ کے موقع پر اختلاف نہ کرتے کے معنی یہ ہیں کہ دین میں تحریف کو قبوا، کو لباخا۔ یہ ایک دوسرا فتنہ ہے جس کا ستداب کرنا خود دین ہی کے لیے ضروری ہے۔

٥٤- راسخ الایمان صحابی شفیق بنی کریم خدا

عَنْ أَبِي بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ يَمْلَئُ فَقْرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرَهَا عَلَيْهِ ثُمَّ دَخَلَ أَخْرُ فَقْرَأَ قِرَاءَةً سَوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهِ فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلَاةَ دَحَلْنَا جَمِيعًا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنَّمَا أَقْرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرَهَا عَلَيْهِ وَدَخَلَ أَخْرُ فَقْرَأَ سَوَى قِرَاءَةِ صَاحِبِهِ - فَأَهْرَهْنَا التَّبَّى صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ الْخَيْرَ شَانَهُمَا فَسَقَطَ فِي لَفْسِي مِنَ التَّكْذِيبِ وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَلَمَّا سَرَّآ إِلَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ عَشَيْتِي ضَرَبَ فِي صَدْرِي فَفَضَّلْتُ عَرْقاً وَكَانَهَا أَنْظَرْتُ إِلَى اللَّهِ فَرَقاً، فَقَالَ لِي أَبِي اُمِّرِسِيلَ إِلَيَّ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوْنَ عَلَى أُمِّي فَرَدَدَ إِلَيَّ الثَّانِيَةَ أَقْرَعْهُ عَلَى حَرْفَيْنِ فَرَدَدَتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوْنَ عَلَى أُمِّي فَرَدَدَ إِلَيَّ الثَّالِثَةَ أَقْرَعْهُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرَفٍ وَلَكَ بِكُلِّ سَرْدَّةٍ فَرَدَدَ تَهْمَةً مَسَالَةً تَسَالَنِيهَا فَقُلْتُ أَللَّهُمَّ اغْفِرْ لِأُمِّي اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِأُمِّي وَأَخْرِتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمِ يَرْعَبُ إِلَى الْخَلْقِ كُلُّهُمْ حَتَّى إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ - (در و راه مسلم)

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں را ایک روز مسجدِ نبوی میں مقام اتنے میں ایک شخص آیا اور نماز پڑھنے لگا۔ اس نے نماز میں قرأت اس طرح کی کہ مجھے عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ایک اور شخص آیا اور اُس نے ایسی قرأت کی جو پہلے شخص سے بھی مختلف تھی۔ جب ہم نماز سے فارغ ہوئے تو ہم تینوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے حضور سے عرض کیا کہ اس شخص نے قرآن مجید اس طرح پڑھا ہے جو مجھے درست معلوم نہیں ہوا، اور اس دوسرے شخص نے اس سے بھی مختلف طریقے سے پڑھا ہے (یہ کیا معاملہ ہے؟) — بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو دوست کر دیا۔ اپنے اپنے طریقے سے قرآن پڑھ کر سنانے کا حکم دیا۔ ان دونوں کی قرأت میں کر حضور نے انہیں درست قرار دیا۔ اس پر میرے دل میں تکذیب کا ایسا وسوسہ آیا کہ

جاہلیت کے زمانے میں بھی کبھی نہیں آیا تھا — جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ کیفیت دیکھی تو آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا — آپ کے ہاتھ مارتے ہی میں پانی پانی ہو گیا اور میرے پیسنے چھٹ کے اور مجھے ڈر کے مارے یوں محسوس ہوا کہ گویا میں اللہ کو دیکھ رہا ہوں پھر حضور نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: اے

اے ضا جب قرآن مجید میری طرف بھیجا گیا تو مجھے حکم دیا گیا کہ میں اسے ایک حرف پر (یعنی ایک بھجے کے مطابق)

پڑھوں (اور وہ لمجھے قریش کا لمجھے سخنا)۔ میں نے جواب میں یہ عرض کھلانے بھی کہ میری اُمّت کے ساتھ نرمی برآئی جائے — پھر پلاٹ کر مجھے جواب دیا گیا کہ دو احرف (یعنی دو لمحوں) پر پڑھ سکتے ہو۔ میں نے پھر جواب میں عرض کیا کہ میری اُمّت کے ساتھ اور نرمی برآئی جائے — تیسرا مرتبہ جواب میں یہ فرمایا گیا کہ اچھااب قرآن کو سات لمبھوں کے ساتھ پڑھ سکتے ہو — — مزید یہ ارشاد ہوا کہ جتنی مرتبہ تم نے گزارش کی ہے اور تعین اس کا جواب دیا گیا ہے اس پر تھیں اتنی ہی دعائیں مانگنے کی۔ اجازت دی جاتی ہے (اور وہ دُعائیں قبول ہوں گی) — اس پر میں نے عرض کیا: اے خدا میری اُمّت کو معاف کر دے — اے خدا میری اُمّت کو معاف کر دے — اور تیسرا دُعاء میں نے اُس دن کے لیے اُٹھا رکھی جب کہ ساری مخلوق میری طرف رجوع کرے گی (کہ میں خدا کے حضور ان کی شفاقت کروں) یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی رجوع فرمائیں گے۔ (سلم)

حضرت اُبی بن کعب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت جلیل القدر صحابی تھتھے۔ ان کا شمار اکابر اور افاضل لوگوں میں ہوتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابوں میں سے ہر ایک کے متعلق یہ جانتے تھے کہ کس میں کیا کمال ہے — — حضرت اُبی بن کعب کا کمال یہ تھا کہ وہ قرآن کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔ ان کے سامنے یہ داقہ پیش آتا ہے کہ دو آدمی دو ایسے مختلف طریقوں سے قرآن پڑھتے ہیں

جو ان کے علم کے مطابق درست نہیں تھے۔ آپ ان دونوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے جاتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو درست قرار دیتے ہیں۔ اس پر ان کے دل میں ایک شدید نوعیت کا وسوساً آتا ہے، اتنی شدید نوعیت کا وسوساً کہ آپ خود فرماتے ہیں کہ زمانہ تجارتیت میں بھی کبھی وہ یقینیت پیدا نہیں ہوتی تھی جو یہ ایک اُس وقت میرے دل میں پیدا ہوتی۔ ان کے دل میں شک یہ گزرا کہ آیا یہ قرآن واقعی خدا کی طرف سے ہے یا یہ کوئی انسانی کلام ہے جس کے پڑھنے میں اس طرح کی کھلی آزادی دی جائی ہے۔

اندازہ کیجئے کہ حدیث کے الفاظ کے مطابق ایک اس طرح کے جلیل القدر صحابی کے دل میں بھی ایسا وسوساً آسکتا ہے۔ معادم ہووا کہ صحابہ کرام شعبجی دراصل انسان ہی تھے، فرشتے نہیں تھے اور نہ انسانی کمزوریوں سے کلیتہ منترہ تھے۔ کمال ان کا یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے جو بہترین فوائد کوئی انسان اٹھا سکتا تھا وہ انہوں نے اختھائے تھے اور حضورؐ کے فیض تربیت سے ایک ایسا اگر وہ تیار ہوا تھا کہ نور انسانی میں کبھی اس درجے کے انسان نہیں پائے گئے۔ لیکن اس کے باوجود اسے تروہ انسان ہی۔ اس لیے جب ایک ایسی بات سامنے آئی جو بظاہر ابھسن میں ڈالنے والی تھی تو یہ ایک ان کے ذہن میں وہ وسوساً گزرا جس کا ذکر حدیث میں ہو رہا ہے۔

اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اظرانی تربیت دیکھئے۔ پھرے سے فرداً بجانپ گئے کہ ان کے دل میں کیا وسوساً آیا ہے فوراً انہیں مقتتبہ کرنے کے لیے ان کے سلیٹے پر ہاتھ مارا کہ میاں ہوش میں آؤ۔ کس سوچ

میں پڑ گئے؟

یہ بھی سمجھ لجھتے کہ محض وسوسے کے آجائے سے آدمی نہ کافر ہو جاتا ہے اور نہ لازماً گھنگھار ہی ہوتا ہے۔ وسوسہ ایک ایسی چیز ہے کہ اللہ ہی اس سے بچاتے تو انسان اس سے نج سکتا ہے، ورنہ نہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام فتنی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اگر عرض کرتے تھتے کہ یا رسول اللہ کبھی کبھی ہمارے دل میں ایسے وساوس آتے ہیں جن کے بعد ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری تو عاقبت خراب ہو گئی۔ اس پر حضور نے ان سے فرمایا کہ اصل چیز یہ نہیں ہے کہ تم ہمارے دل میں وسوسہ نہ آتے، اصل چیز یہ ہے کہ وہ اگر تم ہمارے دل میں بھم نہ جاتے۔ کوئی بُرا خیال آگر گز رجاتے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس پر کپڑ نہیں ہے لیکن اگر بُرا خیال آتے اور تم اس کو دل میں جگد دے کر اس کی پروردش کرنے لگو تو یہ چیز ایسی ہے جو آدمی کو ہلاک کرنے والی ہے۔

جب حضرت اُبی زُف کے دل میں ایک بڑا غلط اور غلط انگیز قسم کا وسوسہ آیا تو حضور نے فوراً محسوس کر لیا کہ ان کے دل میں یہ وسوسہ آیا ہے۔ اس لیے آپ نے ان کیلئے پر انتہ مارا۔ آپ کے ہاتھ مارتے ہی وہ ہوش میں آگئے۔ انھیں احساس ہوا کہ یہ میرے دل میں کس قدر بُرا وسوسہ آیا۔ خود انھی کا بیان ہے کہ یہ محسوس ہرتے ہی مجھ پر اس قدر لرزہ طاری ہوا کہ معلوم ہوتا تھا جیسے خدا میرے بامش موجود ہے اور خوف کے مارے میرے پینے چھوٹ گئے۔ حضرت اُبی زُف بن کعب پر یہ فوری شدید رُتیل دراصل اس بات کی علامت تھا کہ وہ نہایت پختہ اور کامل ایمان رکھتے ہیں۔ اگر ان کا ایمان اس درجہ مخصوصہ نہ ہوتا تو ان

پر ایسی شدید کیفیت طاری نہ ہوتی۔

آدمی کا ایمان اگر مفبڑط ہو اور اُس کے دل میں کوئی بُرا و سوسنگز رے تو وہ کانپ جاتا ہے اور اسے فراؤ اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ یہکن اگر ایک آدمی پختے ایمان کا ہوتے تو بُرا و سوسہ اس کے دل میں آتا ہے اور وہ اس کے ایمان کو ذرا سا بلا کے چلا جاتا ہے۔ بچھروہ اپنے ایمان کی گمراہی کی وجہ سے اس سے بے پرواہ رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ وسوسہ بچھر آتا ہے اور اس کے ایمان کو کچھ اور ہلا کنے چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک وقت میں اس کے پورے ایمان کو متزلزل کر کے رکھ دیتا ہے۔ یہکن مفبڑط اور استوار ایمان والے شخص کا حال یہ نہیں ہوتا۔ وہ بُرا و سوسہ آنے کے بعد فوراً استبصصل جاتا ہے۔ حضرت اُبی بن کعب کا عقل اسی بات کی شہادت پیش کرتا ہے۔

حضرت اُبی دِین کعب کے شیخلنے پر بچھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سمجھانے کے لیے یہ وساحت فرمائی کہ آغاز میں جب قرآن مجید نازل ہوا تو وہ صرف اُسی لمحے اور محادیے کے مطابق اُنراجو قریش کا تھا اور بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مادری زبان تھی۔ یہکن حضور نے شود اللہ تعالیٰ سے یہ درخواست کی کہ اسے دوسرے لمحات کے مطابق بھی پڑھنے کی اجازت دی جائے۔ درخواست کے الفاظ یہ ہیں کہ ہمّونَ عَلَى أَعْتِيٍّ یعنی میری اُمّت کے ساتھ زمی فرمائی جائے جس کا احساس یہ تھا کہ آپ کی مادری زبان سارے عرب کی مروجہ زبان نہیں ہے بلکہ مختلف علائقوں اور قبیلوں کے کچھ مت بھی اور تملقاً ہیں۔ یہ اگر ان سب لوگوں پر صرف اہل قریش ہی کے لمحات اور تملقاً کے

مطابق قرآن پڑھنے کو لازم کر دیا گیا تو وہ سخت آزمائش میں پڑھ جائیں گے۔ اس یہے آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی کہ میری اُمت کے ساتھ نرمی فرمائی جائے چنانچہ پہلی درخواست کے جواب میں یہ اجازت دے دی گئی کہ اچھا دو لمحوں میں پڑھ دیا کرو۔

اب اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اپنے بندوں کے ساتھ عجیب ہے کہ پہلی مرتبہ کی درخواست ہی کے جواب میں قرآن مجید سات لمحات کے مطابق پڑھنے کی اجازت نہیں دے دی حالانکہ ارادہ سات کا تھا بلکہ دوسری او تیسرا مرتبہ درخواست کرنے کا انتظار کیا۔ اس طرح گویا حضورؐ کی آزمائش بھی مقصود تھی کہ ان کے اندر نبی ہونے کی حیثیت سے اپنی ذمہ داری کا کتنا احساس ہے اور اپنی اُمت کے ساتھ ان کی محبت و شفقت کا کیا عالم ہے اس لیے پہلے ایک ہی لمحہ آثاراً — یعنی حضورؐ کو اس بات کا احساس تھا کہ اب لعرب کے لمحات میں خاصاً اختلاف پایا جاتا ہے اس لیے اگر قرآن ایک ہی لمحے میں پڑھنے کی اجازت دی گئی تو لوگ سخت مشکل میں پڑھ جائیں گے اور ان پر قدر تی پڑایت کی تکمیل نہ ہو سکے گی اس لیے آپ نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں یہ عرض کی کہ میری اُست کے ساتھ نرمی فرمائی جائے اس کے جواب میں اجازت دو لمحات کے ساتھ پڑھنے کی دی گئی۔ حضورؐ نے پھر عرض کیا کہ مزید نرمی فرمائی جائے۔ چنانچہ حضورؐ کے دو دفعہ اور درخواست کرنے پر سات لمحات کے مطابق پڑھنے کی اجازت دے دی گئی — اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ چونکہ تم نے ہم سے تین مرتبہ درخواست کی ہے اور ہم نے اسے قبول کر لیا ہے اس لیے اب تمہیں حق دیا جاتا ہے کہ تم تین دعائیں ہم

سے مانگ سکتے ہو۔ — رب کی محکم عنائیں کرنے کے انداز دیکھئے
اسی پھر کو قرآن مجید میں فرمایا کہ دَحْقَتِي وَسَعْتُ كُلَّ شَيْءٍ
”میری رحمت ہر پھر پر حادی ہے“ — تو یہ رحمت کا انداز ہے کہ
چونکہ تم نے تین مرتبہ تم سے اپنی اُمت کے حق میں زرعی کرنے کی درخواست
کی ہے اور ہمیں تحریکی یہ ادا پسند آئی ہے، اس لیے آب تمدین تین دعائیں
کرنے کا حق دیا جاتا ہے۔ یہ دعائیں ہم قبول کریں گے۔

اب اللہ تعالیٰ کے رسولؐ کی شانِ رحمت و شفقت بھی اپنی اُمت
کے حق میں دیکھیے کہ دو مرتبہ دعا مانگ کر تیسرا مرتبہ کی دعا آخرت کے لیے
اٹھار کھلتے ہیں اور دو مرتبہ کی دعا بھی کسی ذیبوی منفاذ اور کسی دولت اور اقتدار
کے لیے نہیں مانگی بلکہ صرف اس غرض کے لیے مانگی کہ میری اُمت کے ساتھ
درگزد اور حشم پوشی کا معاملہ کیا جائے۔

فرمایا : إغْفِرْ لِأُمَّتِي ; میری اُمت کی مغفرت فرم۔

مغفرت کے اصل معنی یہیں دو گزر کرنا، پچشم پرشی کرنا۔ مغفرہ اس خود
کو کھلتے ہیں جو سر کو چھپتا ہے۔ چنانچہ إغْفِرْ لِأُمَّتِي کا مطلب یہ ہے کہ
میری اُمت کے ساتھ درگزد، ذرمی اور حشم پوشی کا معاملہ کیا جائے —
ایک شکل تو یہ ہوتی ہے کہ یہی نے قصور کیا اور رحمت اسے سزا دے
دی گئی۔ دوسری شکل یہ ہے کہ آپ قبور کرتے ہیں لیکن آپ سے
درگزد کیا جاتا ہے اور سجنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ آپ پھر قصور کرتے ہیں
لیکن پھر سنبھلنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ اس طرح بار بار درگزد کا معاملہ کیا جاتا
ہے تاکہ آدمی بالآخر سنبھل جائے اور اپنی اصلاح کرے — حقیقت یہ
ہے کہ مسلمان وہ قوم ہے جس کے پاس خدا کا آخری کلام قرآن مجید، اپنی

اصحی شکل میں محفوظ موجود ہے۔ اس میں کسی طرح کا کوئی رد و بدل آج تک نہیں ہوا۔ اسی طرح مسلمان ہمی وہ قوم ہے جس کے پاس اس کے بنی ہم کی سیرت، اس کے اقوال، اس کی ہدایات بالکل محفوظ چلی آ رہی ہیں۔ اس کو خوب معلوم ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے، ہمارے خدا کا ہم سے کیا مطالبہ ہے اور ہمارے رسول نے ہم کو کیا راستہ بتایا ہے۔

ایک ایسی قوم اگر نافرمانی کرے اور صرف انفرادی طور پر ہی نہیں بلکہ بعض اوقات پوری کی پوری قوم نافرمانی کر بیٹھے مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اس کو یہیں نہ ڈالے تو یہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت اور عظیم درگزر اور ہم برانی کے سوا کیا ہے۔ جرم کی ایک صورت تو یہ ہے کہ آدمی کو یہ معلوم نہ ہو کہ جرم کیا ہے اور پھر وہ جرم کر بیٹھے۔ اس صورت میں وہ ایک طرح کی نرمی کا سخت ہوتا ہے۔ مگر ایک آدمی کو معلوم ہے کہ قانون کیا ہے اور کیا چیز اس قانون کی رو سے جرم ہے مگر اس کے باوجود وہ قانون کو قوڑتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا شخص سخت سزا کا مستحق ہے۔ یہی مثال اس وقت مسلم قوم کی ہے۔ یہیں اس کے باوجود یہ ویکھتے کہ ان تیرچوں سوال میں اللہ تعالیٰ کا عذاب عام آج تک مسلمانوں پر نازل نہیں ہو۔ اگر وہ کسی جگہ پڑے یہیں تو کسی جگہ پچھے بھی رہے یہیں۔ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے اپنی اُمت کے سخت میں درگزر او حشم پوشی کی جو دعا مانگی سختی وہ دعا فی الواقع قبول ہوئی۔

یہاں یہ بات بھی سمجھ دیجئے کہ اغْفِرْ لِأُمَّةَ کے الفاظ سے رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ نہیں تھی کہ میری امتت جو کچھ بھی غلط افعال کرے وہ سب بخش دیے جائیں ۔ خود حضور ہمی فرماتے ہیں کہ ایک آدمی قیامت کے روز اس حالت میں آئے گا کہ اس کے اوپر سے ایک بکری میا رہی ہو گی جو اس نے چراتی تھی اور وہ آکر مجھے پکارے گا، یا رسول اللہ! یا رسول اللہ؟ میں اس کو کیا جواب دوں گا؟ مطلب یہ ہے کہ اگر اس طرح کے کام کر کے آؤ گے جن کی سزا لانا ملتی چاہیئے تو تم میری شفاعت کے متعلق نہیں ہو سکتے ۔ وہاں شفاعت اس معنی میں نہیں ہو گی کہ چونکہ یہ میرے یہیں اس یہے شواہ دنیا میں ظلم و ستم ڈھا کے آئے ہوں، لوگوں کے حق مار کے آتے ہوں مسکون کو معاف کر دیا جائے اور وہ سروں تے اگر ظلم کیا ہو قوان کو پکڑ لیا جائے ۔ قیامت کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے یہ معنی نہیں ہوں گے اور نہ ہو سکتے یہیں ۔

۵۸۔ اختلاف لجاجات سے قرآن کے مفہوم میں فرق واقع نہیں ہوتا تھا

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ رَأَى رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَقْرَأَنِي جِبْرِيلٌ عَلَى حَرْفٍ فَرَأَيْتُهُ فَلَمَّا آتَيْتُهُ أَسْتَرْيَدْتُهُ فَلَمْ يَزِدْ فِي حَتَّى أَنْتَهَى إِلَى سَبْعَةِ أَخْرَفٍ - قَالَ ابْنُ شَهَابٍ بَلَغَنِي أَبٌ تِلْكَ السَّبْعَةُ الْأَخْرَفُ إِنَّمَا هِيَ فِي الْأَمْمِ تَكُونُ وَلِحِدًا لَا تَخْتَلِفُ فِي حَلَالٍ وَلَا حَرَامٍ - (مُتَقَرَّبٌ عَلَيْهِ)

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب تک علیہ السلام نے پہلے مجھے قرآن مجید ایک حرف پڑھوایا۔ پھر میں نے بار بار ان سے اصرار کیا اور یہ مطالبہ کرتا گیا کہ قرآن مجید دوسرا حروف پڑھنے کی اجازت دی جائے گی۔ اجازت دیتے گئے یہاں تک کہ سات حروفونک پہنچ گئے۔ — اس روایت کے راوی جناب ابن شہاب ذہبیؓ کہتے ہیں کہ وہ سات حروف جن پر قرآن پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی ایسے تھے کہ وہ تعداد میں سات ہونے کے باوجود گریا ایک ہی کے بمنزلہ تھے۔ ان پر قرآن پڑھنے سے (بات ایک ہی رہتی تھی اور) حلال و حرام کا فرق واقع نہیں ہو جاتا تھا۔ (ستفی علیہ)

اس بات کی وضاحت گز چکی ہے کہ اہل عرب کو سات حروف (لمجات) پر قرآن مجید پڑھنے کی اجازت اس بنابر دی گئی کہ نزول قرآن کے وقت عرب میں لکھنے پڑھنے کا عام رواج نہیں تھا اور صرف گفتگی کے رُگ لکھنے پڑھنے کے قابل تھے، اس یہے لامحالہ قرآن کی تبلیغ و اشاعت کا کام زبانی شلقین و بیان ہی سے ہو سکتا تھا — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید تقریر کی شکل میں بیان فرماتے تھے اور لوگ اسے سُن کر یاد کر لیتے تھے اور آگے پہنچاتے تھے۔ پونکہ عرب کے مختلف علاقوں میں مقامی بولیاں اور لمجات راجح تھے اس یہے لوگوں کو ایک سخت آزمائش اور مشکل سے بچانے کے لیے قرآن مجید مقامی لمجات و تلفظات کے ساتھ پڑھنے کی اجازت دی گئی۔ مگر یہ اجازت مستقل نہیں تھی۔ بعد میں حالات کی تبدیلی کے ساتھ یہ اجازت ختم کر دی گئی — آگے وہ

احادیث آتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اجازت کس طرح ختم ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سالہا سال کی تبلیغ و اشاعتِ دین کے تیجے میں جب اسلامی حکومت کی بنیاد پڑی تو اس کے اولین فرائض میں سے ایک فلیصلہ لوگوں کو تعلیم یافہ بنانا تھا کیونکہ مسلمان اور جماعت دو چیزوں کا کیجا تصور نہیں ہو سکتا۔ اسلامی حکومت نے ابتدائی دور میں تو لوگوں کو دین زیادہ تر زبانی تلقین کے ذریعے سے سمجھایا لیکن اس کے سامنہ ساخت اس امر کی مسلسل کو شش کی گئی کہ پوری قوم تعلیم یافہ ہو جاتے۔ چنانچہ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں تعلیم کا اتنے بڑے پیمانے پر کام کیا گیا کہ ایک اندازے کے مطابق اس وقت سو فی صد کی خواندگی پیدا ہو چکی تھی۔ اور یہ سب اہم صرف اس یہے کیا گیا کہ لوگ قرآن پڑھنے کے قابل ہو جائیں۔

یعنی مسلمان کی نگاہ میں خواندگی کی اولین اہمیت یہ نہیں ہے کہ وہ دنیا کے معاملات کی توشیت و خواندن کرنے کے قابل ہو جائے، یہ تو محض ایک ضمٹی فائدہ ہے اصل فائدہ یہ کہ آدمی قرآن پڑھنے کے مقابل ہو سکے۔ جب تک وہ قرآن پڑھنے کے قابل نہیں ہو گا اور برہہ راست یہ نہیں جان سکے کا کہ اس کے خنانے اس پر کیا فرمہ داریاں عامد کی یاں، وہ کس امتحان میں ڈالا گیا ہے اور اس امتحان میں اس کی کامیابی کی کیا صورت ہے اور ناکامی کے اسباب کیا ہیں، اُس وقت تک وہ ایک مسلمان کی زندگی بسر کرنے کے مقابل نہیں ہو سکے گا۔ اس یہے تعلیم اسلامی معاشرے میں ایک بنیادی اہمیت رکھتی ہے اور اسلامی خلافت نے اس کام کو اپنے اولین بنیادی فریضے کی حیثیت ہی سے اسجام دیا ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور ہی میں یہ کام

شرکت کر دیا تھا۔ جنگ بدر کے موقع پر جب قریش کے لوگ گرفتار ہو کر آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو پڑھے لکھتے ہوں وہ ہمارے اتنے بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دیں تو تم ان کو کوئی فدیہ یہے بنیسر رہا کر دیں گے۔ اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں لوگوں کو خواتینہ بنانے کی کیا اہمیت تھی۔

چھر بج بوجوں کو خواتینہ بنادیا گیا اور انہیں اس قابل کر دیا گیا کہ وہ پڑھ کر سکیں تو اس کے بعد قرآن مجید دوسرے بحاجات پر پڑھنے کی اجازت ختم کر دی گئی، اور صرف قریش کے بھی کو پر قرار رکھا گیا کیونکہ قرآن مجید قریش ہی کی زبان میں نازل ہوا تھا بخوبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مادری زبان تھی۔ حضور کا قاعدہ یہ تھا کہ قرآن مجید جس وقت نازل ہوتا تھا آپ پہلی فرصت میں اسے کسی ایسے صحابی کو بلکہ لکھا دیتے تھے جو مکھی پڑھے ہوتے تھے۔ آگے بعض احادیث میں اس کی کیفیت آتی ہے کہ قرآن مجید کس طرح جمع کیا گیا یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ قرآن مجید آغاز میں قریش کی زبان اور محاورے کے علاوہ دوسرے جن بحاجات میں پڑھنے کی اجازت دی گئی تھی وہ بعد میں ختم کر دی گئی، نیز قرآن مجید آغاز ہی سے تحریری شکل میں لغت قریش کے مطابق لکھا گیا تھا۔

۵۹ مختلف بحاجات میں قرآن پڑھنے کی اجازت ایک بہت بڑی ہمولت تھی

عَنْ أَبِي بَيْنِ كَعْبٍ قَالَ لَقَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِبْرِيلَ فَقَالَ يَا جِبْرِيلَ إِنِّي بُعْثُتُ إِلَى أُمَّةٍ أُمِّيَّاتٍ مِنْهُمْ الْعَجُوزُ وَالشَّيْخُ الْكَبِيرُ

وَالْغُلَامُ وَالْجَارِيَةُ وَالرَّجُلُ الَّذِي لَمْ يَقُرَأْ كُتُبًا
 قَطُّ، قَالَ يَا مُحَمَّدُ إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ آخِرٍ
 رَوَاهُ التِّرمِذِيُّ وَفِي رِوَايَةِ إِلَيْهِ لِأَخْرَجَهُ قَدَّرَتْهُ دَوْدَةً : قَالَ لِيَسَ
 مِنْهَا إِلَّا شَافِ كَافٍ، وَفِي رِوَايَةِ لِلنَّسَافِيِّ قَالَ إِنَّ جِبْرِيلَ
 وَمِئَكَائِيلَ أَتَيَا فِي فَقْعَدَ جِبْرِيلُ عَنْ يَمِينِي وَمِئَكَائِيلُ
 عَنْ يَسَارِي فَقَالَ جِبْرِيلُ أَقْرَأَ الْقُرْآنَ عَلَى حَرْفٍ
 قَالَ مِئَكَائِيلُ اسْتَزِدْ وَحَتَّى بَلَغَ سَبْعَةَ آخِرَفِ فَكُلُّ
 حَرْفٍ شَافِ كَافٍ .

حضرت ابی زین گعب بیان کرتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو حضور نے ان سے فرمایا کہ اے جبریل ! میں ایک ایسی امت کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں جو آن پڑھ (لوگوں پر مشتمل) ہے اور پھر ان میں سے کوئی بُرُّ طَرَّاب ہے ، کوئی بُرُّ طَرَّاب ہے کوئی طُرَّکی ہے ، کوئی ریسا آدمی ہے جس نے کبھی کوئی تحریر (یا کتاب) نہیں پڑھی ————— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل ملیے السلام نے مجھے جواب دیا کہ اے محمد ؟ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے ————— یہ روایت ترمذی نے بیان کی ہے۔ امام احمد اور ابو داؤد کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے مزید یہ فرمایا کہ قرآن ان حروف میں سے جس حرف پر سمجھی نازل ہوا ہے وہ ثاقبی کافی ہے ————— نسائی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

و علم نے فرمایا: حضرت جبريل اور میکائیل میرے پاس آئے۔
 جبريل میری دایں طرف بیٹھئے اور میکائیل بایں طرف، پھر
 حضرت جبريل نے مجھ سے کہا کہ قرآن مجید ایک حرف پر دینی
 قریش کی زبان کے مقابلہ (پڑھو) حضرت میکائیل نے
 مجھ سے کہا کہ ایک اور حرف پر پڑھنے کی اجازت مانگیے۔
 (میں یہ اجازت مانگتا گیا) یہاں تک کہ سات حروف پر پڑھنے
 کی اجازت دے دی گئی اور ان میں سے ہر حرف شافی کافی ہے۔
 (زندگی، احمد، ابو داؤد، نسائی)

ہر حرف کے شافی کافی ہونے سے مراد یہ ہے کہ ان میں کسی قسم کی
 مگر اسی کا خطرہ نہیں ہے جس طرح لغت قریش کے مقابلہ قرآن کا پڑھنا
 شافی کافی ہے اسی طرح دوسرے قبیلوں کی لغت میں اسے پڑھنا شافی
 کافی ہے۔ ان میں سے کسی کے مقابلہ پڑھنے سے اس بات کا کوئی خطرہ نہیں
 کہ قرآن کا اصل منشاء اور معنی پبل جائے۔

۶۰۔ قرآن ستانے کا معاوضہ لینا غلط ہے

عَنْ عِمَرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ أَنَّهُ أَرَى عَلَى قَاصِ يَقْرَا
 ثُمَّ يَسْأَلُ فَاسْتَرْجَعَ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ فَلِيَسْأَلْ
 اللَّهَ بِهِ فَإِنَّهُ سَيَحْكُمُ أَفْوَامُ لَقَرَأُونَ الْقُرْآنَ
 يَسْأَلُونَ بِهِ النَّاسَ - (رَوَاهُ أَخْمَدُ وَ التَّرمِذِيُّ)

حضرت عمران بن حصین کا بیان ہے کہ ان کا گزر ایک ایسے

واعظ پڑھو اب قرآن پڑھنا تھا اور لوگوں سے بھیک مانگنا تھا —
 یہ دیکھ کر منہوں نے اثاب اللہ و اثاب الیتہ سے اجمعون پڑھا —
 پھر وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمائے
 سنا ہے کہ جو شخص قرآن پڑھے اسے چاہئے کہ وہ جو کچھ مانگے
 صرف اللہ سے مانگے — ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے
 کہ لوگ قرآن پڑھیں گے اور اس کا معاوضہ لوگوں سے مانگیں گے۔
 (الحمد لله رب العالمين)

حدیث کا مضمون واضح ہے — تاہم اس مقام پر ایک بات
 ملحوظ ہے کہ اگرچہ قرآن پڑھ کر اس کا معاوضہ مانگنا یا اسی طرح نماز
 پڑھانے کا معاوضہ لینا شرعاً نہایت مکروہ چیز ہے اور قریم زمانے میں
 فقہاء اس کی کراہت پر متفق تھے لیکن بعد میں کچھ ایسے حالات پیش
 آئے جن سے فقہاء کو یہ اندیشہ ہوا کہ اگر ایسا کوئی معاوضہ لینے کو قطعی ممنوع
 رکھا گی تو اس بات کا امکان ہے کہ مسجدوں میں پانچ وقت کی نماز باجماعت
 کا اہتمام اور مسجدوں کی آبادی کا نظام برقرار نہیں رہ سکے گا۔ اس لیے انہوں نے
 ایک بڑی مصلحت کی خاطر اس بات کی اجازت دے دی کہ جو لوگ دن
 میں باقاعدہ نماز اپنے وقت پر پڑھانے کی ذمہ داری قبول کریں ان کو
 معاوضہ دیا جاسکتا ہے — تاہم اصولاً اب بھی یہ بات اپنی جگہ
 قائم ہے کہ اگر کوئی آدمی ایسے ذرائع پاتا ہو جن سے وہ اپنی روزی گھا کے
 اور اس کے ساتھ مسجد میں باقاعدہ نماز پڑھانے کی ذمہ داری قبول کر لے
 تو اس سے بہتر کوئی بات نہیں — میرے نزدیک وہ امام
 نہایت قابلِ قدر ہے جو مسجد کے دروازے کے باہر بلیٹھ کر جو قی

گانٹھے اور پانچ وقت کی نماز پڑھانے کی ذمہ داری قبول کرے اور کسی سے کوئی معاوضہ وصول نہ کرے ۔ تاہم اگر یہ کسی طرح ممکن نہ ہو اور ایسا کوئی امام نسل کے تو پھر بدرجہ آخر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایسے امام مقرر کیے جائیں جن کو معاوضہ دیا جاتے اور وہ مسجدوں کی آبادی کا نظام پر قرار رکھیں۔

۶۱۔ قرآن کوروں کا نہ کا ذریعہ بنانے والا ہے آبرو ہو گا

عَتَّ بِرَبِّيْدَ لَّا قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَرَأَ الْقُرْآنَ يَتَّكَلُّ بِهِ النَّاسُ جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَرَجْفُهُ لَهُ عَظِيمٌ لَّيْسَ عَلَيْهِ لَحْمٌ۔ (رَوَاهُ الْبَيْهِقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ)

حضرت بریدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص قرآن اس غرض سے پڑھے کہ اس کے ذریعے سے لوگوں سے روشنی مانگے تو قیامت کے روز وہ اس حالت میں آئے گا کہ اس کا چہرہ میں ہڈی ہڈی ہو گا، اس پر گوشۂ پوست کچھ نہیں ہو گا۔ (بیہقی)

کسی آدمی کے چہرے پر گوشۂ پوست نہ ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ وہ بے عترت ہو گا۔ آپ اپنی زبان میں بھی یہ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی بے آبرو ہو گیا۔ وہ لفظ "آبرو" دراصل آب رو ہے یعنی چہرے کی رونق۔ سو کسی آدمی کے بے عترت ہو جانے کو آپ یوس بیان کرتے ہیں کہ وہ بے آبرو ہو گیا، یعنی اس کے چہرے کی رونق جاقی رہی۔ اسی مفہوم میں یہ الفاظ

تے یہیں کہ اس شخص کے چہرے پر گوشت پورست نہیں ہو گا بجو قرآن کو
محض روٹی کمانے کا وسیلہ بناتا ہے ۔۔۔ یعنی اللہ تعالیٰ اُس کو قیامت
کے روز بے عزت کر دے گا۔

۶۲۔ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ فَصْلُ سُورَةِ عَرْتٍ

عَرْتٌ أَبْنَ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَعْرِفُ فَصْلَ السُّورَةِ حَتَّىٰ
يَذْنِلَ عَلَيْهِ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ۔
(درود ابوداؤد)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء میں یہ نہیں جانتے تھے کہ ایک سورت کیاں ختم ہوتی ہے اور دوسرا گی کیاں سے شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ آپ پر بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ نازل ہوتی ۔ (ابوداؤد)

مراد یہ ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورتوں کے آغاز و
انجام کو معلوم کرنے میں وقت پیش آئی تو اللہ تعالیٰ نے بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
نازل کر کے یہ بتا دیا کہ جہاں سے بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ شروع ہواں سے یہ
سمجھا جائے کہ یہاں ایک سورت ختم ہو گئی ہے اور دوسرا گی شروع ہو
رہی ہے ۔ اس طرح یہ آیت بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ دراصل "فصل سورت"
ہے جو اللہ تعالیٰ نے سورتوں کے آغاز و انجام میں فرق کرنے کے لیے
نازل فرمائی ۔۔۔ یہ قرآن مجید میں سورۃ نحل کی ایک آیت کے طور پر
بھی آتی ہے ۔۔۔ مکملہ سا اپنے درباریوں سے کہتی ہے کہ میرے

نام حضرت سیمان علیہ السلام کا ایک خط آیا ہے جو اللہ رحمٰن و رحیم کے نام
بے شروع ہوتا ہے۔ (لَا إِشْرَاعٌ لِّسَمْدَنِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ) اس طرح
دہاں یہ اُس سورت کی ایسا ایت کے طور پر نازل ہوئی ہے یعنی
دوسرے مقامات پر اللہ تعالیٰ نے اس کو سورت توں کے درمیان فصل رئے
کا ذریعہ بنایا ہے۔

اب ہر سورت کا آغاز اسی سے ہوتا ہے، بس اس میں صرف ایک
اشناد ہے اور وہ یہ ہے کہ سورۃ توبہ کے آغاز میں بسم اللہ نہیں ہے
کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لکھوا یا ہوا بوجو مسٹوہ ملائخا اس پر اس
سورہ کے آغاز میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہیں ملی تھی۔ اس یہے صحابہؓ کرامؓ
نے اس کو اسی طرح نقل کر دیا۔ انہوں نے اپنی طرف سے یہ نہیں کیا کہ
بسم اللہ الرحمن الرحیم کا خود اضافہ کر دیں۔ اس سے آپ اندازہ
کر سکتے ہیں کہ قرآن مجید کو ایک مصحف کی شکل میں مرتب کرتے ہوئے صحابہؓ
کرامؓ نے کس قدر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے۔ انہیں معلوم تھا کہ بسم اللہ الرحمن
الرحیم سورت توں کے درمیان فصل کرنے کے لیے ہے اور وہ قیاس
کر کے اسے آسانی سے سورۃ توبہ کے آغاز میں لکھ سکتے تھے، نیز وہ یہ بھی
خیال کر سکتے تھے کہ ممکن ہے حضور کو اس کے لکھوانے کا خیال نہ رہا
ہو، یا جس صحابی سے آپ لکھواتے تھے وہ لکھنا بھول گئے ہوں گے لیکن
انہوں نے اس طرح کا کوئی قیاس نہیں کیا بلکہ جس طرح خود حضور کا لکھوا یا
ہوا مسٹوہ ملائخا اس کو اسی طرح سے لقل کر دیا اور اپنی طرف سے اس میں ایک
شوشه سمجھی نہیں بڑھایا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ اس نے اپنی کتاب کی حفاظت

کا ایسا بے نظیر انظام کیا۔ دنیا میں اس وقت کوئی کتاب ایسی نہیں ہے جس میں کلامِ خداوندی بالکل اپنی اصلی صورت میں بغیر کسی آمیزش اور روایت کے اس طرح محفوظ ہے۔ یہ شرفِ سرف قرآن مجید ہی کو حاصل ہے۔

۶۳۔ صحابہ کرامؓ نے قرآنؓ کس ذمہ داری سے حفظ کیا تھا

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ كُنَّا يَحْمُصَ فَقَرَأَ أَبْنُ مَسْعُودَةَ
سُوْرَةَ يُوسُفَ فَقَالَ سَرْجُلٌ مَا هَذَا أَنْزِلَتْ
فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ وَاللَّهُ لَقَرَأَنْهَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحَسِنْتَ، فَبَيْنَا
هُوَ يَكِلِّمُهُ إِذْ وَجَدَ مِنْهُ رِيحَ الْخَمْرِ فَقَالَ
آتِشَرَبْ الْخَمْرَ وَيَكِلِّمْ بُـ يَا لِكَتَابِ فَضَرَبَهُ
الْحَدَّ۔ (مُتَفَقٌ عَلَيْهِ)

جناب علقمةؓ فیضان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حص (شام) میں سنتے، وہاں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے سورہ یوسف پڑھی تو ایک شخص نے (جو وہاں موجود تھا) کہا کہ یہ اس طرح نازل ہوئی، حضرت عبد اللہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے یہ سورت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی ہے اور حضورؐ نے فرمایا تھا کہ تم نے ٹھیک پڑھی ہے — اس دوران میں جبکہ وہ اس شخص سے بات کر رہے تھے انہیں اس کے منہ سے شراب کی بوآئی — اس پر آپ نے اس سے فرمایا کہ شراب پیتے ہو اور پھر قرآنؓ سن کر اس کی

یکذب کرتے ہو؟ اور اس کے بعد اس پر (شراب

پینے کے جرم میں) حد جاری کی۔ (متفق علیہ)

یہ حدیث یہاں یہ بتانے کے لیے رکھی گئی ہے کہ صحابہؓ کرامؓ میں سے ہر اُس شخص نے جس نے لوگوں تک قرآن پہنچانے کی ذمہ داری ادا کی ہے اس نے قرآن مجید یا تورہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے سن کر یاد کیا ہے یا پھر و مسروں سے سُن کر یاد کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا یا ہے اور حضورؐ نے اس کی تصدیق فرمائی ہے کہ ہاں تم نے ٹھیک یاد کیا ہے اس طرح قرآن مجید کے ہتھ کپ پہنچنے کا کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے جس میں ذرہ برابر بھی استثناء کی گنجائش ہو سکتی ہو۔

۶۲۳- قرآن مجید کیسے یکجا جمع کیا گیا

وَعَنْ نَرِيدَادِ ابْنِ ثَابِتٍ قَالَ أَرْسَلَ إِلَيَّ أَبُو بَكْرٌ
مَقْتَلَ أَهْلَ الْمَأْمَةَ فَإِذَا غَمَرْتُ بْنَ الْخَطَابَ
عِنْدَ لَهُ، قَالَ أَبُو بَكْرٌ إِنَّ عُمَرَ أَتَانِي فَقَالَ إِنَّ
الْقَتْلَ قَدِ اسْتَحْرَرَ يَوْمًا الْمَأْمَةَ لِقَرْآنِ الْقُرْآنِ
وَرَأَيْتُ أَخْشَى إِنْ اسْتَحْرَرَ الْقَتْلُ بِالْقُرْآنِ بِالْمَوْطِنِ
فَتَذَاهَبُ كَثِيرٌ مِنَ الْقُرْآنِ وَرَأَيْتُ أَسْرَى أَبْ
تَأْمَرَ بِجَمْعِ الْقُرْآنِ، قُلْتُ لِعُمَرَ كُفَّ لَفْلَ شَيْءًا
لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
فَقَالَ عُمَرُ هَذَا أَوَ اللَّهُ خَيْرٌ فَلَمْ يَزَلْ عُمَرُ

يُرَايْعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدَرِي لِذَلِكَ وَرَأَيْتُ
 فِي ذَلِكَ الَّذِي مَرَأَى عُمَرٌ، قَالَ تَرِيدُ قَالَ أَبُو بَكْرٌ
 إِنَّكَ رَجُلٌ شَابٌ عَاقِلٌ لَا نَتَهِمُكَ وَقَدْ كُنْتَ
 تَكْتُبُ الْوَحْيَ لِرَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
 فَتَتَبَيَّنَ الْقُرْآنَ فَاجْتَمَعَ، فَوَاللَّهِ لَوْ كَلَفْتُنِي
 نَقْلَ بَجَيلٍ مِّنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا
 أَمْرَرَ فِي بَهَ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ، فَقَالَ قُلْتُ كَيْفَ
 تَفْعَلُونَ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
 وَسَلَّمَ، قَالَ هُوَ وَاللَّهِ خَيْرٌ، فَلَمْ يَرَكِ
 يُرَايْعُنِي حَتَّى شَرَحَ اللَّهُ صَدَرِي لِذَلِكَ حَتَّى شَرَحَ
 لَهُ صَدُورَ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ فَتَبَيَّنَ الْقُرْآنَ أَجْمَعَهُ
 مِنَ الْعُسْبَ وَالْلَّخَافِ وَصُدُورِ الرِّجَالِ حَتَّى
 وَجَدْتُ أُخْرَ سُورَةً التَّوْبَةَ مَعَ أَبِي خَزِيرَةَ
 الْأَنصَارِيِّ لَمْ أَجِدْهَا مَعَ أَحَدَ غَيْرِهِ؛ لَقَدْ
 جَاءَ كُمُرَسُولٌ مِّنْ الْفُسُكُ حَتَّى خَاتَمَهُ
 بَرَاءَةً فَكَانَتُ الْعُجُوفُ عِنْدَ أَبِي بَكْرٍ حَتَّى تَوَفَّهُ
 اللَّهُ ثُمَّ عِنْدَ عُمَرَ حَيَاةً ثُمَّ عِنْدَ حَفْصَةَ بَنْتِ
 عُمَرَ. (رَفَعَهُ الْجَنَادِيُّ)

حضرت زید بن ثابت الفزاری بیان فرماتے ہیں کہ جس زمانے
 میں جنگ یا مامہ میں کثرت سے صحابہ کرام ہاشمیہ ہوتے ہیں اس وقت
 ابو بکرؓ نے مجھے طلب فرمایا۔ میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت

عمر رضا بن خطاب سمجھی وہاں تشریف رکھتے ہیں۔ حضرت ابو بکر رضی نے
مجھ سے فرمایا کہ عمر رضا میرے پاس آتے اور انھوں نے کہا کہ
جنگ یمامہ میں قرآن کے قاری (جنسیں قرآن یاد ستخا اور وہ لوگ
کو پڑھ کر سنا تے تھے) بہت کثرت سے شہید ہوتے ہیں اور
مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر قرآن کے پڑھنے پڑھانے والے ایسی
ہی دوسری جنگوں میں شہید ہوتے گئے تو قرآن کا بڑا احتساب
ضائع ہو جاتے گا۔ اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن کو
جمع کرنے (یعنی کتابی صورت میں کیجا کرنے) کا حکم دے دیں
حضرت ابو بکر رضی فرماتے ہیں کہ میں نے عمر رضا سے کہا،

تم وہ کام کیسے کرو گے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
نہیں کیا؟ عمر رضا نے مجھے جواب دیا کہ خدا کی قسم یہ کام اچھا ہے
سچروہ برابر مجھ سے اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ

اس معاملے میں اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ کھول دیا اور میری
رائے بھی درجی ہو گئی جو عمر رضا کی تھی۔ حضرت زید رضا
کہتے ہیں کہ اس کے بعد حضرت ابو بکر رضی نے مجھ سے فرمایا: تم
ایک جوان آدمی ہو، صاحبِ عقل ہو، تمہارے متعلق ہمیں
کوئی شبہ بھی نہیں (یعنی تم ہر طرح قابلِ اعتماد ہو) اور تم
پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وحی کی کتابت بھی
کرتے رہتے ہو۔ اس لیے آب تم قرآن مجید کے
اجڑا کو تلاش کر کے نکالا اور اسے یکجا جمع کر دو۔

حضرت زید رضا کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر وہ مجھے پہاڑ اٹھانے کا

حکم دیتے تو وہ میرے لیے اتنا سخت بھاری کام نہ ہوتا جتنا بھاری یہ
 کام تھا جس کا انہوں نے حکم دیا ۔۔۔ میں نے عرض کیا کہ آپ
 وہ کام کیسے کرتے یہاں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا؟
 حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا کہ نہیں
 خدا کی قسم یہ کام اپھا ہے ۔۔۔ پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ برابر مجھ سے اس پر اصرار کرتے رہے ہیں تک کہ
 اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ بھی اسی طرح کھول دیا جس طرح حضرت
 ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سینہ
 کھول دیا تھا ۔۔۔ پھر میں نے قرآن کو بخوبی چھالوں، سفید
 پتھر کی تھیموں اور لوگوں کے سینوں سے تلاش کر کر کے جمع کرنا
 شروع کیا ۔۔۔ یہاں تک کہ سورہ توبہ کی یہ آخری آیات مجھے
 حضرت ابو حزیب الفماری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ملیں، کسی اور کے
 پاس نہیں ملیں، **لَقَدْ جَاءَكُمْ رَّسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ**.....
 آخر سورت تک ۔۔۔ اس طرح قرآن کے جو صحیفے یجا کیے
 گئے یا لکھے گئے وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس ان
 کی زندگی تک رہے، اس کے بعد یہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کے پاس ان کی زندگی تک رہے، پھر یہ **أُمّةُ الْمُؤْمِنِينَ** حضرت حفصہ
 رضی اللہ تعالیٰ عنہا (بنت حمزہ) کے پاس محفوظ رکھ دیئے گئے۔

(بھاری)

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ شبہ لائت ہوا کہ اگر قرآن کو
 یکجا جمع کرنا اور دین کی حفاظت کے لیے ایسا کرنا لازم ہوتا تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات مبارکہ ہی میں قرآن مجید کو مرتب کرائے کتابی شکل میں لے چا فرمادیتے۔ لیکن جب آپ نے یہ کام نہیں کیا تو اب ہم اسے کرنے کی بیسے عبرات کریں — لیکن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استدلال یہ تھا کہ اگر یہ بجا ہے خود ایک اچھا کام ہے اور شریعت اور اسلام کے بنیادی تفاضلوں کے مطابق ہے، اور اس کے خلاف کوئی مخالفت بھی موجود نہیں ہے تو یہ چیز اس بات کے لیے کافی دلیل ہے کہ یہ کام مباح ہے۔ اسی وجہ سے انہوں نے کہا کہ خدا کی تمام میرے نزدیک یہ کام اچھا ہے۔

حضرت زید کا یہ قول کہ خدا کی قسم، اگر وہ مجھے پہاڑ اٹھانے کا حکم دیتے تو وہ میرے لیے اتنا سخت بھاری کام نہ ہوتا جتنا بھاری کام جمع قرآن کا تھا، اُن کے اس شدید احساس کی ترجیحی کرتا ہے کہ قرآن کو جمع کرنا ایک بڑی کمکٹی ذمہ داری تھی۔ قرآن مجید کو مختلف جگہوں سے اکٹھا کرنا اور اس کے بعد اس کو اسی ترتیب سے لکھنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تھی حقیقتاً ایک بڑی کڑی ذمہ داری تھی اور حضرت زید کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ اگر مجھ سے کوئی ذرہ برابر بھی غلطی ہو گئی تو آئندہ مسلوں تک قرآن کے غلط شکل میں پہنچنے کی ساری ذمہ داری مجھ پر پڑے گی — اسی احساس نے آپ سے یہ الفاظ کھلوات کیے ہیں مجھ پر پہاڑ اٹھانے سے زیادہ سخت ڈالا گیا ہے۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن میں ذرائع سے جمع کیا گیا:-
ایک ذرایہ یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن مجید لکھوا یا تھا وہ کھجور کی چھالوں یا سفید پتھر کی پتلی پتی تختیوں پر لکھوا یا تھا۔ حضور کا طریقہ یہ تھا کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو آپ صاحبہ کرام میں سے کسی

لکھے پڑتے آدمی کو ہجن کے لیے کاتبین وحی کا فقط استعمال ہوتا ہے، بلاتے
ستھے اور حکم دیتے تھے کہ اس سورت یا ان آیات کو فلاں فلاں مقام پر لکھ، دو
لکھوا کر پھر آپ سن لیتے تھے تاکہ اس کی صحت کا اطمینان ہو جاتے۔ اس کے
بعد ایک تھیلے میں یہ چیزیں ڈال دی جاتی تھیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم نے اپنے آخری زمانے میں (جیسا کہ آگے بعض احادیث آتی ہیں) یہ بھی
 بتا دیا کہ فلاں آیت فلاں سورت کی ہے اور فلاں آیت فلاں آیت کے بعد
 اور فلاں سے پہلے رکھی جائے۔ اس طرح سورتوں کی ترتیب خود حضور ہی نے
 قائم کر دی تھی جس سے لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا تھا کہ سورتوں میں آیات کس
 ترتیب سے ہیں، میکن اس ترتیب سے آپ نے قرآن مجید کو ایک کتابی شکل
 میں نہیں لکھا اور یا تھا جس شکل میں وہ آج پایا جانا ہے۔

حضرت زیدؑ کہتے ہیں کہ اس تھیلے میں پتھر کی ہو تھیاں اور کھور کی چالیں پڑی
 ہوئی تھیں وہ میں نے نکالیں اور اس کے ساتھ دوسرا کام یہ کیا کہ جن لوگوں
 کو قرآن حفظ تھا ان کو بلکہ اور ان سے مل کر لکھے ہوئے اور زبانی یاد کیے ہوئے
 قرآن کے درمیان مطابقت کرائی۔

ان دونوں چیزوں کی مطابقت سے جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ قرآن مجید کی
 آیت ہے اور اس ترتیب کے ساتھ ہے تو اسے ایک مرتب شکل میں جمع
 کر لیا۔

حضرت زیدؑ نے یہ جو فرمایا کہ سورۃ توبہ کی آخری آیات مجھے صرف حضرت
 ابو حزیرۃ النصاریؓ کے پاس ملیں، تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ آیات اس
 تھیلے ہی میں نہیں تھیں کیونکہ استظام اس بات کا تھا کہ اس تھیلے میں سے جو
 کچھ پڑے اس کو قرآن کے حافظوں سے ان کے حفظ کردہ حصوں کے ساتھ

مطابقت کرنے کے بعد لکھا جائے ۔ چنانچہ ان کے قول سے مراد یہ ہے کہ قرآن کے جو حافظ مجھے ملے ان میں سے سورۃ توبہ کی آخری آیات صرف حضرت ابوحنیفہؓ النصاری کو یاد تھیں۔ میں نے مقابلہ کرنے کے بعد ان کو درج کر دیا۔

٤٥۔ مُصْحَفٌ عُثْمَانِ كیسے تیار ہوا

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ حَذِيفَةَ ابْنَ الْيَمَانَ
قَدْ رَأَى عُثْمَانَ وَ كَانَ يَغَازِرُ أَهْلَ الشَّامِ فِي نَهَارِ
أَسْرِ مِينَةَ وَ اذْرِيْجَانَ مَعَ أَهْلِ الْعِدَاقِ فَأَنْزَعَ
حَذِيفَةَ إِخْنَالًا فَهَمِمَ فِي الْقِرَاءَةِ فَقَالَ حَذِيفَةُ لِعُثْمَانَ
يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَذْرِكُ هَذِهِ الْأُمَّةَ قَبْلَ أَنْ يَخْتَلِفُوا
فِي الْكِتَابِ إِخْنَالَافَ أَلِيمَهُو دَوْلَةُ النَّصَارَى فَأَرْسَلَ عُثْمَانَ
إِلَى حَفْصَةَ أَنَّ أَرْسَلَنِي إِلَيْنَا بِالصُّحْفِ لِتَسْنِيهَا
فِي الْمَصَاحِفِ ثُمَّ نَرَدَهَا إِلَيْكَ فَأَرْسَلْتُ بِقَاهَفَصَةَ
إِلَى عُثْمَانَ فَأَرْمَرَ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ وَ عَبْدَ اللَّهِ ابْنَ
الزِّبَرِ وَ سَعِيدَ بْنَ الْعَاصِ وَ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الْحَارِثِ
بْنِ هِشَامٍ فَنَسَّحُوهَا فِي الْمَصَاحِفِ وَ قَالَ عُثْمَانُ
لِلرَّهِبِطِ الْقَرَشِيِّينَ الْثَلَاثَ إِذَا اخْتَلَفْتُمْ أَنْتُمْ وَ زَيْدٌ
بْنُ ثَابِتٍ فِي شَيْءٍ مِنَ الْقُرْآنِ فَأَكْتُبُهُ بِلِسَانِ قَرَشٍ
فَإِنَّمَا نَزَّلَ بِلِسَانِهِمْ فَفَعَلُوا حَتَّىٰ إِذَا سَخُوا الصُّحْفَ
فِي الْمَصَاحِفِ رَدَّ عُثْمَانَ الصُّحْفَ إِلَى حَفْصَةَ وَ

آرسَلَ إِلَى كُلِّ أُفْقٍ بِمُصَحَّفٍ مِمَّا نَسَخَ وَأَمَرَ
بِنَسَوَاهُ مِنَ الْقُرْآنِ فِي كُلِّ صَحِيقَةٍ أَوْ مُصَحَّفٍ
أَنْ يُخْرِقَ، قَالَ أَبْنُ شَهَابٍ فَأَخْبَرَ فِي خَارِجَةٍ بْنُ
ثَمَّيْدٍ بْنِ ثَابِتٍ أَنَّهُ سَمِعَ رَبِيعَ بْنَ ثَابِتَ قَالَ
فَقَدْ تُ آيَةٌ مِنَ الْأَخْنَابِ حِينَ نَسَخْنَا الْمُصَحَّفَ
قَدْ كُنْتَ أَسْمَعْنَا سُوْلَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
يَقْرَأُ بِهَا فَالْمَسْنَاهَا فَوَجَدْنَاهَا مَعَ حَرَبَمَهَ بْنِ
ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيِّ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَجَاءَ سَلْفًا
مَا عَاهَدْنَا وَاللَّهُ عَلَيْهِ فَالْحُكْمُ لَهُ فِي سُورَتِهِ الْمُعْتَدِفِ.
(رَوَاهُ أَبْنُ الْخَارِبِ)

حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت مذکورین میان
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے۔ یہ اس زمانے کی
بات ہے جب آپ اہل اسلام کے مشکل کو اہل عراق کے مشکل کے
سامنے ملا کر آرائیں ہے اور آذربایجان کی فتح کے لیے تیار کر رہے
تھے۔ حضرت مذکورہ اس بات سے سخت پریشان تھے کہ لوگ
قرآن کی قرات میں اختلاف کرتے ہیں۔ اس لیے انہوں نے
حضرت عثمانؓ سے کہا کہ اے امیر المؤمنینؓ اس امرت کی فکر کیجئے
اس سے قبل کہ کتاب اللہ کے بارے میں ان کے درمیان وہی اختلاف
پیدا ہو جائے جو سیورونفارمی کے درمیان چڑھتا

حضرت عثمانؓ نے (ان کی بات سن کر) حضرت حفصہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہما کو پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس قرآن مجید کے جو صحفے

یہیں (یعنی مُصحف صدیقی جسے حضرت ابو گلبر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتب کر دیا تھا) وہ ہمیں بیچج دیجئے تاکہ، کم اس سے نقل کرو اکر دوسرے مصاحف تیار کر لیں، اس کے بعد جو میں اصل صحیفے آپ کو لوٹا دیں گے — حضرت سَعْدَ بْنُ عُثَمَانَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھجوادیتے اور انہوں نے چار اصحاب زید بن ثابت الفصاری حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سعید بن عاص و حضرت عبد اللہ بن حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کام پر مقرر کر دیا کہ وہ اس مصحف صدیقی سے نقل کر کے مصاحف تیار کریں —

مزید برآں ان چار اصحاب میں سے قریش کے جو تین آدمی تھے (یعنی حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سعید و عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو یہ حکم دے دیا کہ جب کبھی قرآن کی کسی پیغیر کے بارے میں تمہارے اور زید بن ثابت الفصاری کے درمیان اختلاف ہو جائے تو تم قرآن کو قریش کی زبان کے مطابق لکھنا کیونکہ وہ انھی کی زبان میں نازل ہوا ہے — ان اصحاب نے ایسا ہی کیا اور جب وہ مھما کی شکل میں قرآن کے (تئے) نسخے تیار کر لے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصحف صدیقی حضرت سَعْدَ بْنُ عُثَمَانَ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوٹا دیا اور قرآن کے جو نسخے تیار کیے گئے تھے اُن میں سے ایک ایک مصحف اسلامی مقبرضات کے ہر علاقے میں بھجوادیا اور حکم دے دیا کہ اس کے سوا قرآن کا جو کوئی نسخہ یا صحیفہ کسی کے پاس موجود ہو وہ جلا دیا جائے — (اس روایت کے راوی) جناب ابن شہاب زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرتے ہیں کہ حضرت زید بن ثابت کے

صاحبزادے حضرت خارجہ بن زید نے مجھے بتایا کہ انہوں نے اپنے والد حضرت زید بن ثابت کو یہ فرماتے سننا ہے کہ جب ہم یہ مصحف عثمانی لکھنے لگے تھے تو اس وقت مجھے سورہ احزاب کی وہ آیت نہ ملی جو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے سنائی کرتا تھا۔ ہم نے اس آیت کو تلاش کرنا شروع کیا تو وہ حضرت خزیرہ بن ثابت الفصاری کے پاس ملی۔ وہ آیت ہے : مِنَ الْمُؤْمِنِينَ يَرْجَأُونَ صَدْقَوْا مَا عَاهَدُوا وَاللَّهُ عَلَيْهِ

تب ہم نے اس آیت کو قرآن کے اس سخنے میں اس کی سورت میں داخل کر دیا۔ (بخاری)

حضرت حذیفہ بن یمان کی اس گھبراہٹ کی وجہ یہ تھی کہ پونکہ سارے عرب کے لوگوں کو قرآن مجید اپنے اپنے علات کے مخادرے، مجھے اور تلفظ کے مطابق پڑھنے کی اجازت دے دی گئی تھی اس لیے بعد کے زمانے میں جب بڑی بڑی نہادت پیش آیں اور عرب کے مختلف علاقوں کے لوگ جمع ہو کر ایک شکر میں شامل ہوئے اور چھ مختلف ملکوں میں گئے تو وہاں ان کے درمیان قرآن کی قرأت میں اختلافات پیدا ہوئے شروع ہوئے۔ اس صورت حال کو دریکھ کر حضرت حذیفہ بن یمان سخت پریشان ہوتے اور وہ گھبراٹے ہوتے حضرت عثمان رضی کے پاس آتے اور ان سے کہا کہ آپ اس امت کی فکر کر جھنے ورنہ قرآن کے معاملے میں ان کے درمیان ویسے ہی اختلافات پیدا ہو جائیں گے جیسے یہود و نصاریٰ میں توریت و انجیل کے مسئلے میں پیدا ہوتے۔ پسنا پسند حضرت عثمان رضی نے معاملے کی نزاکت کے پیش نظر قرآن کا ایک معیاری

نحو تیار کرنے کا اہتمام کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرآن کے اس معیاری نسخے کے علاوہ درسر صحیفوں کو جلانے کا حکم اس یہے دیا کہ جب لوگ لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گئے تو انہوں نے قرآن مجید کو اپنے اپنے قبیلے کی زبان کے مطابق لکھ دیا۔ اگر یہ لکھنے ہوئے تو نسخے بعد میں محفوظ رہتے تو خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختلف علاقوں میں بھی ہوتے اسی مصحف کے بارے میں کہ جس سے نقل کر کے پھر ساری امت میں قرآن پھیلا، مختلف شہادات پیدا ہو جاتے۔ اس یہے جن لوگوں نے بھی قرآن مجید کا کوئی حقہ لکھ لیا تھا، یہاں تک کہ اگر کسی کے پاس کوئی ایک آیت بھی بھی ہوتی تھی وہ اس سے والپس لے لی گئی اور پھر جلا دی گئی۔ اور ایک عام حکم دے دیا گیا کہ قرآن کا یہ نسخہ جو اب باقاعدہ سرکاری اہتمام میں تیار ہوا ہے یہی اب اصل نسخہ ہے جس کو بھی اسندہ قرآن مجید نقل کرنا ہو وہ اسی نسخے سے نقل کرے۔ اس طرح آمدہ کے یہے قرآن مجید کی ثابت اسی مصحف عثمانی پر موقوف کر دی گئی اور باقی تمام صحیفے تلف کر دیئے گئے۔

یہ جو فرمایا کہ چمیں سورہ احراب کی ایک آیت صرف حضرت خزیرہؓ الفصاریؓ کے پاس ملی تو اس سلسلے میں یہ یاد پیش نظر ہنی چاہیئے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں جو مصحف لکھا گیا تھا، معلوم ہوتا ہے کہ اس کا کاغذ زیادہ مضبوط غمیں تھا، اس یہے عین ممکن ہے کہ وہ آیت کسی کمزور کاغذ پر لکھی گئی ہو اور جب اس سے نقل کرنے کی نوبت آئی تو وہ واضح طور پر پڑھی نہیں جا سکی۔ اس یہے اس کی شناخت کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ پھر یہ دیکھئے کہ اگرچہ حضرت زید بن ثابت کو اچھی طرح

یاد تھا کہ یہ آیت اس بجد مکن یہیں اس کے باوجود انہوں نے کسی ایسے شخص کو تلاش کرنا ضروری سمجھا جس کو یہ آیت یاد ہوتا کہ اس بات کا پورا اطمینان ہر جائے کہ ہاں فی الواقع یہ قرآن کی آیت ہے۔ اس تلاش کے نتیجے میں حضرت خبیر یہ ثابت انصاری کے پاس وہ آیت نکل آئی، تب انہوں نے اس کو درج کیا۔

کتابت و حفاظتِ قرآن کے معاملے میں صحابہ کرام کی احتیاط کا اندازہ کیجئے کہ یہ بات یاد ہونے کے باوجود کہ میں نے یہ آیت اس وقت مصحف صد لقی میں لکھی تھی، اور یہ بھی کہ میں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو طہستہ ہوئے رہا ہے لیکن پھر بھی بعض اپنے حفظ اور یاد کے اعتقاد پر اس کو اس وقت تکمیل کھانہ میں جب تک کہ ایک آدمی مزید اس بات کی شہادت دینے والا نہ مل گیا کہ ہاں یہ آیت اس بجد مکن ہے، اور یہ اسی سورت کا حصہ ہے۔

۶۶- سورتوں کی ترتیبِ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کروڑ ہے

عَنْ أَبْنَى عَبَّاسٍ قَالَ قُلْتُ لِعُثْمَانَ مَا حَمَلْتُكُمْ
عَلَى أَنْ عَمَدْ تَمَرَّ إِلَى الْأَنْقَالِ وَهِيَ مِنَ الْمُشَاقِ
وَإِلَى بَرَاءَةِ وَهِيَ مِنَ الْمِيَاثِينَ فَقَرَنْتُمْ بِنَهَماَقَ لَمْ
تَكْتُبُوا سُطْرَ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ وَ
وَضَعْتُمُوهَا فِي السَّبِيعِ الطَّوَّلِ مَا حَمَلْتُكُمْ عَلَى
ذَلِكَ قَالَ عُثْمَانَ كَانَ سَرْسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ
وَسَلَّمَ مَتَّا يَأْتِيَنِي عَلَيْهِ الزَّمَانُ وَهُوَ تَدْرِلُ عَلَيْهِ

إِلَسْوَرُ ذَوَاتُ الْعَدَدِ وَكَانَ إِذَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ شَيْئٌ دَعَا
بِعَضَ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُولُ ضَعْفًا هُوَ لَوْلَا إِذَا نَاتَ
فِي السُّورَةِ الَّتِي يُذْكَرُ فِيهَا كَذَّا وَكَذَّا وَكَانَتِ الْأَنْفَالُ
مِنْ أَوَّلِ مَا نَزَّلْتُ بِالْمُدْبِرَةِ وَكَانَتْ بَرَاءَةً
مِنْ أَخْرَى الْقُرْآنِ نُزُولًا وَكَانَتْ قِصَّتُهَا أَشْيَاهَ
بِقِصَّتِهَا فَقَبِضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
وَلَمْ يُمْكِنْ لَنَا أَنْهَا مِنْهَا فَمِنْ أَجْلِ ذَلِكَ قَرَنَتْ
بَيْنَهُمَا وَلَمْ يَكُنْ سُطْرٌ لِسِمِّ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
وَوَضْعُهُمَا فِي السَّبِيعِ الطُّولِ.

(رَدْوَا اَحْمَدُ وَالْبِرْمِذِيُّ وَابْوَدَاؤَدَ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا: یہ کیا بات ہے کہ آپ نے سورہ انفال کو سورۃ توبہ کے ساتھ ملا دیا حالانکہ سورۃ انفال کی آیتیں ۵۷ میں اور سورۃ توبہ کی سو سے زیادہ ہیں (اور قرآن مجید کے آغاز میں انھی سورتوں کو رکھا گیا ہے جو سو سے زیادہ آیات پر مشتمل ہیں) اور کچھراں دونوں سورتوں کے درمیان آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحيم نہیں لکھی؟ — کیا وجہ ہے کہ آپ نے اس سورۃ انفال کو ابتدائی سات بڑی سورتوں کے اندر شامل کر دیا (حالانکہ اس کی آیتیں سو سے کم ہیں)؟ — حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ یہ تھا کہ لمبی

سورتوں کے نزول کے زمانے میں جب آپ پر کچھ آیات نازل ہوتی تھیں تو آپ کا تبیین وحی میں سے کسی کو بلا کر فرماتے کہ ان آیات کو فلاں سورت میں رکھو جس میں فلاں فلاں چیز کا ذکر آیا ہے۔ اسی طرح جب کوئی آیت آپ پر نازل ہوتی تو آپ فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو جس میں فلاں فلاں چیز کا ذکر آیا ہے — اب سورہ النفال ان سورتوں میں سے ہے جو مدینہ مطیعہ کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئیں اور سورہ براءۃ (توبہ) آخری زمانے کی سورتوں میں سے ہے، اور ان دونوں سورتوں کا مضمون اگرچہ ایک دوسرے سے مشابہت رکھتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں ہم سے اس بات کی وضاحت نہیں فرمائی کہ سورہ النفال سورہ توبہ کا ایک حصہ ہے اس پیسے میں نے ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ الگ رکھتے ہوئے انھیں سامنہ ساخت بھی رکھا اور ان کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحيم نہیں لکھی، اور اس کو سات پڑی سورتوں کے اندر شامل کر دیا۔

(احمد۔ ترمذی۔ ابو داڑہ)

حضرت کا یہ ارشاد کہ اس آیت کو فلاں سورت میں رکھو جس میں فلاں چیز کا ذکر آیا ہے اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ سورتوں کے نام لکھے رکھے گئے — سورتوں کے ناموں کا تعین اس بات سے نہیں کیا گی کہ اس میں فلاں فلاں موضوعات زیست ہتھ آئے یا نہیں (کیونکہ موضوعات و مضامین کے تنوع کی وجہ سے ایسا کرنا ممکن نہیں تھا) بلکہ مختلف سورتوں

کے نام عرض علامتوں کے طور پر رکھتے گئے ہیں۔ مثلاً پہلی سورت کا نام ”البقرہ“ رکھنے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اس میں گائے کے مسئلے پر بحث کی گئی ہے بلکہ یہ نام صرف اس بنابر رکھا گیا ہے کہ اس میں ایک مقام پر گائے کا ذکر آیا ہے۔

اس حدیث سے دوسری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے زمانے میں سورتوں کی ترتیب برابر دلواتے جاتے تھے۔ دوسری احادیث جو یہاں نقل کی گئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ یہ بھی بتاتے تھے کہ اس آیت کو فلاں آیت سے پہلے اور فلاں آیت کے بعد رکھو۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک ایک سورت کی ترتیب بھی مکمل کر دی گئی تھی۔ ظاہر ہاتھ ہے کہ جب نماز میں قرآن مجید پڑ ساجداتا تھا تو اس کی کوئی ترتیب قائم ہوئے بغیر اس کا پڑھنا ممکن نہ تھا۔ جس ترتیب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختلف سورتیں لکھواتے تھے اسی ترتیب سے وہ پڑھی جاتی تھیں اور اسی ترتیب سے لوگ انھیں سنتے تھے۔

سورہ انفال اور سورہ توبہ کی باہمی مشابہت اس طرح ہے کہ دونوں جہاد سے متعلق ہیں اور دونوں میں ملتے جلتے مسائل پر گفتگو کی گئی ہے۔ دونوں میں منافقین پر سخت تنقید ہے اور کفار پر سختی۔ دونوں میں جنگ کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور جہاد کے لیے ابھارا گیا ہے۔ اس طرح مضمایں کے اعتبار سے یہ دونوں سورتیں آپس میں قریبی معاشرت رکھتی ہیں۔

اگرچہ ان دونوں سورتوں کو اگل اگل بھی رکھا گیا ہے لیکن ان کے

در میان بسم اللہ الرحمن الرحيم سبی نہیں لکھی گئی، اس کے متعلق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تے یہ وضاحت فرمائی کہ صنون کی مشاہدت کی بناء پر ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساختہ تو رکھا گیا لیکن ان کو ایک ہی سورت نہیں بنایا گیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیاتِ مبارکہ میں اس بات کی وضاحت نہیں فرمائی کہ یہ دونوں ایک ہی سورت میں۔ سچھرخونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھواجے ہوئے صحیفوں میں سورہ توبہ کے آغاز میں بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ لکھی ہوئی نہیں ملی اس لیے مصحف عثمانی میں بھی یہ نہیں لکھی گئی۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ صحابوپکرام نے قرآن مجید مجمع کرنے میں کس قدر احتیاط سے کام لیا اور اس نازک فریضت سے کس ذمہ داری سے عمدہ برآ ہوتے۔

